احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

مارچ 2015ء

تصرفات و اختیاراتِ مصطفی ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و روحانی خطاب

دینِ اسلام میں تصورِ سیاست و ریاست

باہمی نظریاتی اختلافات
رحمت یا زحمت؟

شخصیت پرستی کی حقیقت

پاکستانی سیاست
بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت

تحریک منہاج القرآن انٹرفیتھ ریلیشنز اور نولکھا پریس بیٹرین چرچ کے زیر اہتمام ''احترام مذاہب سیمینار''

محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی ''قومی امن کانفرنس'' (دربارِ عالیہ خواجہ غلام فریدؒ کوٹ مٹھن شریف) میں شرکت

دربار غوثیہ (مچھ، بلوچستان) اور اولیاء اللہ کے مزارات پر دہشت گردانہ حملوں کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز
زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

جلد 29 / شمارہ 3 / جمادی الاول ۱۴۳۶ھ / مارچ 2015ء

www.facebook.com/minhajulquran
www.minhaj.info mqmujallah@gmail.com

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

ایڈیٹر
محمد یوسف

اسسٹنٹ ایڈیٹر
محمد شعیب بزمی

مجلس مشاورت
صاحبزادہ فیض الرحمٰن درانی، خرم نواز گنڈا پور
ڈاکٹر رحیق احمد عباسی، شیخ زاہد فیاض
جی ایم ملک، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، قاضی فیض الاسلام، راضیہ نوید

مجلس ادارت
علامہ محمد معراج الاسلام، مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی
پروفیسر محمد نصر اللہ معینی، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری
معاون طباعت: محمد زاہد
عکاسی: محمود الاسلام قاضی

قیمت فی شمارہ: 25 روپے
سالانہ زرتعاون: 250 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ
اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان
فون UAN: 111-140-140 فیکس: 35168184

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

حسن ترتیب

اداریہ۔ چھت کے بغیر عمارت کے مکیں		4
(القرآن)۔ تصرفات واختیاراتِ مصطفی ﷺ	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	6
(الفقہ)۔ آپ کے دینی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	18
دینِ اسلام میں تصورِ سیاست وریاست	ڈاکٹر رحیق احمد عباسی	21
شخصیت پرستی کی حقیقت	ڈاکٹر نعیم مشتاق	28
باہمی نظریاتی اختلافات۔۔۔ رحمت یا زحمت؟	شفاقت علی شیخ	36
پاکستانی سیاست۔۔۔ بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت	ایس ایچ صدیقی	44
دہشت گردی اور غربت کا سبب۔۔ بیڈ گورننس	عین الحق بغدادی	50
سرگرمیاں		53

سَراپا دعا ہوں

خدا گر نہ توفیق دے بندگی کی
نہیں پھر ضرورت ہمیں زندگی کی

وہ کیا آشنا ہوگا عرفان حق سے
نہیں جس نے لذت چکھی بے خودی کی

کہا حق نے محبوب ہے بس وہ میرا
کرے گا اطاعت جو میرے نبی کی

جہاں بھر میں ہے دربدر قوم مسلم
الٰہی ہیں تصویر ہم بے بسی کی

میسر ہو اب فتحِ باب ہدایت
نہیں کوئی حد اپنی بے رہروی کی

خدایا! یہاں خضر و مہدی کئی ہیں
فزوں تر ہے لیکن روش گمرہی کی

کھلے پھر سے مولا چمن آرزو کا
چلیں پھر ہوائیں یہاں آشتی کی

سحر دم جو تجھ سے کریں التجائیں
ہوں مقبول یارب دعائیں سبھی اس کی

خدا جس کا شہزاد ہو آپ ہادی
نہیں اس کو حاجت کسی رہبری کی

﴿شہزاد مجددی﴾

نعت بحضور سرورِ کونین ﷺ

یارسول اللہ کرم کی ہو نظر
مجھ فقیرِ پُر خطا کے حال پر

قیدِ فُرقت میں پڑی ہے زندگی
اے حبیبِ کبریا خیرالبشرؐ

اِذن ہو مجھ کو حضوری کا عطا
دے خبر یوں آپ کا پیغام بر

در پہ اپنے وہ بلاتے ہیں تجھے
جو کہ ہیں دونوں جہاں کے تاجور

باندھ کر رختِ سفر میں بھی چلوں
اور پڑھوں صلِ علیٰ ہر گام پر

داخلہ طیبہ میں ہو جب خیر سے
وجد میں آئیں مرے قلب و جگر

روضۂ اطہر پہ ہو جب حاضری
ہر طرف آئے نظر نورِ سحر

منہ سے حرف مدعا نہ کہہ سکوں
ہو لبِ اظہار میری چشمِ تر

یوں زبانِ اشک ہو گویا حضورؐ
ہچکیوں پر ضبط ہوپائے اگر

مانگتے ہیں آپ سے خیراتِ نور
مہر و مہ بھی آپ کے دریوزہ گر

مختصر یہ عرض ہے میری شہاؐ
آپ کے در پر رہوں میں عمر بھر

پھر نہ ہمذآنی خزاں ہرگز رہے
ہو بہارِ زیست ہر دم باثمر

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمذآنی﴾

چھت کے بغیر عمارت کے مکیں

یہ مسلمہ امر ہے کہ دور غلامی میں قوموں کا مزاج تبدیل ہوجاتا ہے۔ مسلمانوں کا المیہ بھی یہی ہے کہ بطور قوم مجموعی طور پر پوری امت دین کے خود ساختہ ادھورے تصورات لے کر عملاً متحرک اقوام عالم کے مقابلے میں تنہا کھڑی ہے۔ حالانکہ اس وقت پوری دنیا میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کے پاس ہدایت کے بنیادی ذرائع مبنی بر وحی ہیں، جن میں خطا اور تبدیلی کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ تبدیل شدہ ان ادھورے اور مبہم تصورات میں دین و دنیا کی تقسیم اور عبادت کا محدود تصور سرِ فہرست ہے۔ ان اسباب کی بناء پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے آخری اور حتمی دین کے تحرک اور فیض رسانی کو دوسری اقوام تک پہنچانے میں نہ صرف غفلت کا مظاہرہ کیا بلکہ اس الہامی اور فطری نظام زندگی کو دوسروں تک پہنچنے میں بھی ہم خود رکاوٹ بن گئے ہیں۔

قرآن نے امت مسلمہ کی اہم ترین خصوصیت امت وسط بیان کی ہے۔ وسط کے مفہوم میں اعتدال اور میانہ روی شامل ہیں۔ ''**خیر الامور اوسطھا**'' یعنی اعتدال اور میانہ روی پر مبنی امور ہی سراپا خیر و برکت ہیں۔ اعتدال انسانی فطرت اور نفسیات کے عین مطابق ہے جبکہ شدت میں زبردستی، زور آوری اور دباؤ کا عنصر شامل ہوتا ہے جسے انسانی سرشت قبول نہیں کرتی اور اگر انسان پر کوئی چیز مسلط کردی جائے تو اس کے نتائج ہمیشہ منفی نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے **لا اکراہ فی الدین** فرما کر اپنے پسندیدہ دین اسلام کی خوبی بھی یہی بیان کی ہے کہ اس میں کوئی عمل بھی زبردستی نہیں ٹھونسا گیا۔ اسلامی تعلیمات عقائد و معاملات اور عبادات سب کے سب فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہیں۔ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں بھی انسان کا اپنا جسمانی یا روحانی، دنیوی یا اخروی فائدہ مضمر ہے۔

ہم لوگ عبادت بھی کرتے ہیں اور مساجد میں بھی آئے روز اضافہ ہورہا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام بھی پہلے سے زیادہ وسیع پیمانوں پر جاری و ساری ہے۔ اگر آپ جہادی سرگرمیوں پر نظر ڈالیں تو وہ بھی پہلے سے زیادہ نظر آتی ہیں بلکہ اب تو جس کو اور کوئی کام نہیں آتا وہ بھی جہاد کے لئے چل پڑتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کا مجموعی تاثر نہایت غیر تسلی بخش بلکہ پریشان کن کیوں ہے؟ اقوام عالم کی قطار میں اس کی سست رفتاری اور غیر فعالی سوالیہ نشان کیوں ہے؟ نجی زندگی سے لے کر قومی اور بین الاقوامی زندگی تک ہر سطح پر بدامنی، بے چینی، اضطراب مسلمانوں کا مقدر کیوں ہے؟ میرے نزدیک اس کی کئی وجوہات اور اسباب میں سے بنیادی وجہ مسلمانوں کا فکری انتشار، عدم اخلاص اور غیر اخلاقی رویے ہیں۔ مسلمان سیاستدان، معیشت دان، تاجر، اساتذہ، طلباء اور دانشور بالعموم چند عبادات اور عقائد کو کل دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ انہوں نے معاملات یعنی پبلک ڈیلنگ کو کلیتًا دین سے علیحدہ کردیا ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے مجموعی رویوں میں بھی دین اور دنیا کی تقسیم جڑ پکڑ چکی ہے۔ ہم جب مسجد میں آتے ہیں تو خود کو اسلام میں داخل سمجھتے ہیں مگر جب دفتر، دکان، فیکٹری اور گھر میں جاتے ہیں تو خود کو مذہب سے فارغ کرلیتے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ہمارے اخلاق غیر مستحکم بلکہ کئی موقعوں پر بالکل کمزور ہوچکے ہیں۔

مذہبی شخصیات میں قول و فعل کا تضاد، نفرت و حقارت، فرقہ پرستی کا فروغ اور اب انتہاء پسندی کے نتیجے میں عروج پر پہنچی ہوئی دہشت گردی اسی انتشارِ فکری اور اخلاقی فقدان کا نتیجہ ہے۔

ہمارا تعلیمی نظام جس انتشار اور تضاد کا شکار ہے اس میں بھی تدریسی اخلاقیات کا فقدان نظر آتا ہے۔ سیاستدان اور حکمران ریاستی امور میں جس قدر ہوس پرستی اور کرپشن کی دلدل میں اتر چکے ہیں اور اب اعلانیہ کرپشن روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ ہر بار انتخابی وعدے ہوتے ہیں قسمیں اور حلف اٹھائے جاتے ہیں مگر اقتدار کی راہداریوں میں پہنچتے ہی سب وعدے سب حلف اور تمام تعمیری عزائم ہوا میں تحلیل ہوجاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوچکے ہیں۔ انہیں قوم کے مسائل سے کوئی غرض ہی نہیں رہی۔ ان کا ضمیر مردہ ہوکر مردار پسند بن چکا ہے۔ وزراء اور بیوروکریٹ قومی املاک کو گروی رکھ کر اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔ کمیشن کھاتے ہیں اور قومی دولت کو مال غنیمت سمجھ کر بے دریغ لٹانے کے بعد قومی خزانہ خالی ہوجانے کی نوید سنادیتے ہیں لیکن آج تک نہ کسی کرپٹ حکمران افسر اور سیاستدان کو تختہ دار پر لٹکایا گیا اور نہ کوئی چور ڈاکو عبرت ناک انجام کو پہنچ سکا۔ اس کی وجہ بھی ہر طرف پھیلی ہوئی منافقت اور مفادات ہیں۔ ہمارے قومی اور صوبائی عوامی نمائندگان انتخابی مہم میں ایک دوسرے پر سبقت لینے کے لئے تمام تر غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں حتی کہ قاتلانہ حملے اور کھانوں میں زہر تک ملادینے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ اقتدار کی ہوس میں انسانی اقدار کا یہ جنازہ کیوں نکلتا ہے؟ محض اس لئے کہ ہمارے اندر اخلاقی اور ایمانی جذبات ختم ہورہے ہیں۔

ویسے تو ہر شعبہ زندگی میں اخلاقیات کا فقدان نظر آتا ہے لیکن ان لوگوں کے معاملات دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے جو مذہبی پیشوائیت اور رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ علماء اور مشائخ ہماری مسلم سوسائٹی میں دین کی علامت کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ اسی نسبت سے لوگ انہیں احترام اور عزت دیتے ہیں مگر کتنی تعجب کی بات ہے کہ صبح و شام قرآن و حدیث کی تعلیمات کا درس دینے والے اور دین کی خدمت میں اپنی زندگیاں وقف کردینے والے بزرگوں کی گدیوں پر بیٹھے ہوئے ان حضرات کی اکثریت پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور خلقِ عظیم سے محروم ہے۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے دشمنوں کو گلے لگایا، یہ لوگ اپنوں کو دین سے باہر نکالنے پر کمربستہ ہیں۔ پیغمبر اسلام نے کئی کئی روز تک مدینہ میں حاکم ریاست ہونے کے باوجود فاقے کئے، چند کھجوریں اور جو کی روٹی کے چند نوالے بھی میسر آئے تو اپنے جانثاروں میں تقسیم کردیئے مگر ہمارے کتنے روحانی خانوادے اور دینی قائدین ہیں جو خود تو پرتکلف اور پرتعیش زندگی گزارتے ہیں لیکن ان کے اردگرد ان کے حلقہ ہائے ارادت میں مسلمان بھوک اور افلاس سے دم توڑ رہے ہیں مگر ان کا ضمیر اس پر انہیں کبھی ملامت نہیں کرتا۔ ہمارے بعض ناسمجھ علماء کے منفی رویوں، دوسروں سے نفرت اور بے جا فتوی بازی سے معاشرتی توازن بگڑ چکا ہے۔ نوجوان دین سے بیزار ہورہے ہیں اور اغیار ہماری ہنسی اڑا رہے ہیں مگر ان حضرات نے کبھی بھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کی۔ کیا یہی حضور ﷺ کے خلق عظیم کی اتباع ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے دین اسلام کو من پسند صورت دے دی ہے۔ جیسے ایک عمارت بہت سے ستونوں سے مزین ہو مگر وہ چھت کے بغیر مکمل اور محفوظ نہیں ہوسکتی، اسی طرح دین کی چھت حسنِ خلق ہے جس کے بغیر ہم میں سے کسی کا دین محفوظ نہیں۔ ہم داعی توحید بھی ہیں، محبت رسول ﷺ کے دعویدار بھی ہیں، نمازوں کی پابندی بھی کرتے ہیں اور جہادی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے ہیں مگر ہماری زندگیاں اسوۂ حسنہ کی سب سے نمایاں خوبی سے کلیتًا خالی ہیں۔ ہم دوسروں کو اعلیٰ مقام دینے کی اخلاقی جرأت تو کیا اسے برابر کی حیثیت دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ ہم دوسروں کی خیر خواہی کے جذبے سے نہ صرف محروم ہیں بلکہ دوسرے مکتبہ فکر کے حامل افراد سے ملنا اور ان کے ساتھ کھڑے ہونا بھی اپنی کسرِ شان اور توہین سمجھتے ہیں۔ اسلام کی عمارت کے ستون اور دیواریں بھی ہیں مگر اس کی چھت قائم نہیں اور ہم چھت کے بغیر عمارت کے مکین ہیں۔

القرآن

تصرفات واختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب

مرتبہ: محمد یوسف منہاجین // معاون: محمد شعیب

گذشتہ سے پیوستہ

لفظ نبی کا ایک مادۂ اشتقاق ''نَبَـا، اَلنَّبْـوَۃُ'' ہے۔ اَلنَّبْوَہ کا معنی ''اَلْاِرْتِفَاع'' جس کو بلندی ملی'' ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے نبی کا مطلب ''تمام مخلوق سے اعلیٰ'' ہے۔ یعنی اِنَّہٗ شُرِّفَ عَلٰی سَائِرِ الْخَلْق ''اسے ساری مخلوق میں سب سے بلند بنایا جاتا ہے''۔ گویا نبی کی ذات اتنی بلند ہوتی ہے کہ ہر شے ان کے تابع ہوجاتی ہے۔ آقا علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے ساری کائنات اور ساری مخلوقات پر بلندی عطا کی۔ قرآن مجید میں فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ (البقرہ:۲۵۳)

''یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی)''۔

جملہ انبیاء کرام میں سے وہ ہستی جن کو تمام درجات میں سب پر بلند کردیا وہ تاجدار کائنات ﷺ ہیں، جن کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ. (الانشراح:۴)

''اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا وآخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا''۔

پس ساری خلق اور ساری کائنات پر حضور ﷺ بلند ہیں۔ اللہ کی خلق میں سے ہر شے حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ سے نیچے ہے خواہ وہ عالم جمادات ہو یا عالم نباتات، عالم حیوانات ہو یا جنس و انس و ملائک، کائنات ارض و سماء کی ہر شے سے آپ ﷺ بلند ہیں اور ہر شے آپ ﷺ سے نہ صرف نیچے ہے بلکہ آپ ﷺ کے تابع ہے۔ آیئے! سیرتِ مصطفیٰ ﷺ سے اس کے چند مظاہر کا مطالعہ کرتے ہیں:

عالم جمادات پر تصرف

عالم جمادات بھی حضور ﷺ کے تابع ہے۔ اللہ نے حضور ﷺ کو سب پر قدرت و بلندی، تصرف و اختیار عطا فرمایا۔ اس تناظر میں ہمیں اپنے عقائد بھی درست رکھنے چاہئیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ چونکہ اللہ نے حضور ﷺ کو عالم بشریت میں مبعوث کیا، لہذا وہ عام انسانوں کی طرح انسان تھے۔ نہیں، بلکہ کل کائناتِ جن وانس اور کائنات بشریت ونورانیت میں ہر شے حضور ﷺ کے تابع بھی تھی اور آپ ﷺ کے تصرف و اختیار میں بھی تھی۔ یہ وہ مقام ہے کہ ساری کائنات پر حضور ﷺ کو حاصل تصرف کی مثال نہ کبھی پہلے تھی اور نہ کبھی ہوگی۔

☆ خطاب نمبر DVD-154 (عالمی میلاد کانفرنس 2014ء)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ عَلٰى حِرَاءٍ هُوَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَرَجَفَ بِهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَتَحَرَّكَ فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ: اُهْدَاَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اسْكُنْ حِرَاءُ. فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ اَوْ صِدِّيْقٌ اَوْ شَهِيْدٌ

(مسلم فی الصحیح، کتاب فضائل الصحابہ، ۴/۱۸۸۰، رقم: ۲۴۱۷)،
(صحیح بخاری، کتاب المناقب، ۳/۱۳۴۸، رقم: ۳۴۸۳)

''حضور نبی اکرم ﷺ حرا پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے۔ اتنے میں پہاڑ نے حرکت کی اور ایک روایت میں ہے کہ پہاڑ کو وجد آیا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا اے حراء ٹھہر جا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حرا ساکن ہوجا''۔

ایک روایت میں احد پہاڑ کا ذکر بھی آیا ہے۔

اس پہاڑ کا حرکت کرنا دراصل اس شرف پر فخر و انبساط کی وجہ سے تھا جو دنیا کی معزز ترین ہستیوں کے اس پر تشریف فرما ہونے کی وجہ سے اسے نصیب ہوا تھا۔ وہ پہاڑ وجد میں آ گیا کہ آج آقا ﷺ کے نعلین میرے اوپر ہیں اور ان کے اصحاب بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ پس ان کی موجودگی کی وجہ سے پہاڑ بھی جوشِ مسرت سے وجد آ گیا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ پہاڑ کے حرکت کرنے پر آقا علیہ السلام نے دعا نہیں کی کہ باری تعالیٰ یہ پہاڑ زلزلہ کی وجہ سے حرکت کر رہا ہے، اس کی اس حرکت کو روک دے بلکہ آپ ﷺ نے اس پہاڑ پر قدم مارا اور اُسے حکم دیا کہ ٹھہر جا۔ پہاڑ آپ ﷺ کو حاصل تصرف و اختیار کی بدولت فوری رک گیا۔

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، اس وقت وہاں کفار موجود نہیں تھے کہ ان کو نبوت کی صداقت دکھانے کی دلیل کے طور پر یا ان کے مطالبے پر پہاڑ کی حرکت کو روکا گیا کہ انہوں نے کہا ہو کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ کر کے دکھا دیں۔ خلاف عادت کام کا کفار مطالبہ کرتے ہیں اور نبی اپنی نبوت کی صداقت کی دلیل کے طور پر انہیں دکھاتا ہے۔ اب یہاں نہ ابوجہل ہے نہ ابولہب یہاں کوئی کافر و مشرک بھی نہیں۔ کسی نے مطالبہ بھی نہیں کیا صرف مصطفیٰ ﷺ ہیں اور مصطفیٰ ﷺ کے غلام ساتھ کھڑے ہیں۔ اب یہاں نبوت کی صداقت کی دلیل دکھانا مقصود نہیں بلکہ پہاڑوں پر بھی موجود تصرف کا اپنے غلاموں کے سامنے ایک اظہار ہے۔ ایک پہاڑ تو درکنار کائنات کے تمام پہاڑ حضور نبی اکرم ﷺ کے تابع ہیں۔

اسی حدیث مبارکہ سے نبی کے دوسرا معنی ''غیب کی خبریں بتانے والا'' کی ایک دلیل بھی میسر آتی ہے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ موجود صحابہ کرامؓ میں سے آپ نے ان صحابہ کرامؓ کے متعلق بھی خبر دی جنہیں مستقبل میں شہادت کا مرتبہ حاصل ہونا تھا۔ ابھی اُن کی شہادت نہیں ہوئی مگر آقا ﷺ نے اپنے علم غیب کے ذریعے ان کی شہادت کی خبر بھی دی جن کی شہادت آپ ﷺ کے وصال مبارک کے 23 سال بعد ہوئی اور ان کی شہادت کی خبر بھی دی جن کی شہادت آپ ﷺ کے وصال کے تقریباً 50 سال بعد ہوئی۔

حضرت عمر کی شہادت ۲۳ ہجری میں ہوئی۔
حضرت عثمان کی شہادت ۳۵ ہجری میں ہوئی۔ حضرت علی کی شہادت ۴۰ ہجری میں ہوئی۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت زبیر بن عوام کی شہادت ۳۶ ہجری میں ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی شہادت ۳۲ ہجری میں ہوئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی شہادت ۵۵ ہجری میں ہوئی۔ گویا اس وقت حراء/ احد پر ساتھ موجود تمام صحابہ کی شہادت آقا علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد ہوئی۔

یہ آقا علیہ السلام کی شان ہے کہ آپ ﷺ کو سب کے آخری انجام کی بھی خبر ہے، شہادت کی بھی خبر ہے

اور ہر ایک کے احوال کی بھی خبر ہے۔

عالم نباتات پر تصرف

غزوہ بدر کے دوران حضرت عکاشہ بن محصنؓ کی تلوار ٹوٹ گئی، وہ آقا علیہ السلام کے پاس آئے۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میری تلوار ٹوٹ گئی، اب میں کیا کروں؟ آقا علیہ السلام کے قریب کھجور کے درخت کی چھوٹی سی خشک سوکھی ہوئی لکڑی پڑی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے اٹھا کر عکاشہ بن محصنؓ کو دے دیا اور فرمایا: اس سے لڑو۔ حضرت عکاشہؓ فرماتے ہیں کہ

فَاِذَا هُوَ سَیفٌ اَبیَض طَوِیل. (الواقدی فی المغازی، ۱/۹۳)

''میں نے اسے ہاتھ میں لیا تو) وہ سفید رنگت کی لمبی تلوار بن گئی''۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے تصرف سے درخت کی ٹہنی کو تلوار میں بدل دیا اور یہ صرف اسی لڑائی کے وقت تک تلوار نہ رہی بلکہ ہمیشہ کے لئے تلوار بن گئی۔ حضرت عکاشہؓ اس تلوار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ دیگر غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عکاشہؓ مرتدین کے خلاف جہاد میں شہید ہوئے اور وہ تلوار اس وقت بھی ان کے پاس تھی۔

فَلَم یَزَلْ عِندَهٗ حَتّٰی هَلَكَ. (ایضاً)

''یہ تلوار حضرت عکاشہؓ کی وفات تک ان کے پاس موجود رہی''۔

آقا ﷺ نے اس لکڑی کی ماہیت اور اس کی خلقت کو بدل دیا۔ خلقت کو بدل دینا اور لکڑی کو سالہا سال کے لئے دائماً سٹیل کی تلوار میں بدل دینا یہ شانِ تخلیق وتکوین ہے۔ آقا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اتنی بلندی دی کہ لکڑیوں کو چاہیں تو تلواریں بنادیں اور ایک لمحے کے لئے نہیں بلکہ دائماً اس کی ماہیت کو بدل دیں۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ اس لکڑی کو صحابہ ''العون'' کا لقب دیتے تھے۔ یعنی اس لکڑی کو ''رسول اللہ کی مدد'' کے نام سے یاد کرتے۔ صرف یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ سیرت کی کتب میں ہمیں ایسے بے شمار مظاہر ملتے ہیں کہ آقا ﷺ نے کسی صحابی کو درخت کی شاخ/ٹہنی عطا کی تو وہ دائماً تلوار بن گئی۔ گویا آپ ﷺ کو یہ قدرت حاصل تھی کہ جس شے پر توجہ کردیں اس شے کی خلقت، ماہیت اور نیچر کو بدل کے رکھ دیں۔

☆ کفار کے مطالبے پر معجزہ کے طور پر تو کئی دفعہ آپ ﷺ کے حکم سے کھجور کے درختوں کی ٹہنیاں اپنی جگہ سے ٹوٹ کر زمین پر گرتیں، آپ ﷺ کو آکر سجدہ کرتیں اور واپس جاکر اپنی جگہ پر جڑ جاتیں۔ اس معجزے کو دیکھ کر کئی کفار نے اسلام بھی قبول کیا۔ ایسے واقعات بے شمار ہیں۔ اس موقع پر ان کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ میں تو یہ بیان کررہا ہوں کہ جہاں کسی نے مطالبہ نہیں کیا، معجزہ دکھانے کی حاجت نہیں، روزمرہ کے معاملات ہیں، وہاں پر آپ ﷺ اپنے تصرفات و اختیارات صرف صحابہ کرامؓ کے سامنے ظاہر فرما رہے ہیں۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ (ایک غزوہ) کے سفر پر روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم ایک کشادہ وادی میں پہنچے۔ حضور نبی اکرم ﷺ رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ میں پانی وغیرہ لے کر آپ ﷺ کے پیچھے گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے (اردگرد) دیکھا لیکن آپ ﷺ کو پردہ کے لئے کوئی چیز نظر نہ آئی، وادی کے کنارے دو درخت تھے، حضور نبی اکرم ﷺ ان میں سے ایک درخت کے پاس گئے۔ آپ ﷺ نے اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ پکڑی اور فرمایا:

اِنْقَادِی عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهٗ کَالْبَعِیرِ الْمَخْشُوشِ، الَّذِی یُصَانِعُ قَائِدَهٗ.

''اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اطاعت کر۔ وہ

درخت اس اونٹ کی طرح آپ ﷺ کا فرمانبردار ہوگیا جس کی ناک میں نکیل ہو اور وہ اپنے ہانکنے والے کے تابع ہوتا ہے''۔

پھر آپ ﷺ دوسرے درخت کے پاس گئے اور اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ پکڑ کر فرمایا: اللہ کے اذن سے میری اطاعت کرو، وہ درخت بھی پہلے درخت کی طرح آپ ﷺ کے تابع ہوگیا یہاں تک کہ جب آپ ﷺ دونوں درختوں کے درمیان پہنچے تو آپ ﷺ نے ان دونوں درختوں کو ملا دیا اور فرمایا:

اِلْتَئِمَا عَلَيَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَالْتَأَمَتَا.

''اللہ کے اذن سے جڑ جاؤ، سو وہ دونوں درخت جڑ گئے''۔

میں وہاں بیٹھا اپنے آپ سے باتیں کررہا تھا، میں نے اچانک دیکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لارہے ہیں اور وہ دونوں درخت اپنے اپنے سابقہ اصل مقام پر کھڑے تھے۔

(اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الزہد والرقائق، باب: حدیث جابر الطّویل، وقصۃ ابی الیسر، ۴/۲۳۰۶، الرقم:۳۰۱۲)

اسی طرح کا ایک واقعہ یعلی بن مرہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے حاجت کے لئے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو مجھ سے فرمایا:

ائْتِ تِلْكَ الْاَشَاءَتَيْنِ .

''ان دو درختوں کو بلا لاؤ''۔

میں ان کے پاس گیا اور ان سے کہا:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَاْمُرُ كَمَا اَنْ تَجْتَمِعَا فَاجْتَمَعَتَا.

''تمہیں رسول اللہ ﷺ حکم دیتے ہیں کہ ایک جگہ جمع ہوجاؤ۔ وہ دونوں جمع ہوگئے''۔

آپ ﷺ نے ان کے ذریعہ پردہ فرمایا۔ جب آپ ﷺ حاجت سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا:

اِئْتِهِمَا فَقُلْ لَهُمَا لِتَرْجِعْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْكُمَا اِلَى مَكَانِهَا. (مسند احمد بن حنبل، ۱۷۲/٤، الرقم:۱۷۵۹۵)

''جاؤ ان دونوں سے کہو کہ اپنی جگہ پر لوٹ جائیں''۔

میں نے ان سے جا کر کہا تو وہ اپنی جگہ واپس چلے گئے۔

جنت پر تصرف

حضور نبی اکرم ﷺ کو صرف دنیا کے درختوں اور پہاڑوں پر ہی تصرف نہ تھا بلکہ جنت میں بھی آپ ﷺ کو تصرف حاصل ہے۔ اس کی دلیل استنِ حنانہ کا واقعہ ہے کہ جب آپ ﷺ کے خطبہ دینے کے لئے باقاعدہ منبر بنایا گیا تو آپ نے کھجور کے خشک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دینا چھوڑ دیا۔ کھجور کا خشک تنا بھی آپ ﷺ کی اس جدائی کو برداشت نہیں کرپایا اور رو پڑا۔ اسے چپ کروانے کے لئے آقا ﷺ اپنے منبر سے نیچے تشریف لائے۔

حَتّٰى اَخَذَهَا فَضَمَّهَا اِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ اَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِيْ يُسَكَّتُ حَتّٰى اسْتَقَرَّتْ.

(البخاری فی الصحیح، کتاب البیوع، ۲/۷۳۸، رقم:۱۹۸۹)

''اور آپ ﷺ نے کھجور کے ستون کو پکڑ کر ساتھ لگالیا، ستون اس بچے کی طرح ہچکیاں لینے لگا جسے تھپکی دے کر چپ کرایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے قرار مل گیا''۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ مردہ درخت تھا حضور ﷺ کے جسم پاک سے مس ہونے کے سبب اس مردہ درخت میں بھی جان آگئی اور شعور آگیا۔ اس کو بھی پتہ چل گیا کہ آج حضور ﷺ مجھ سے جدا ہوگئے ہیں اور دوسرے منبر پہ کھڑے ہیں۔ اس میں جان بھی آگئی، زندگی بھی آگئی، آنکھیں بھی آگئیں، احساس بھی آگیا اور رونا بھی آگیا کہ حضور ﷺ مجھ سے جدا ہوگئے۔ جب حضور ﷺ نے اسے سینے سے لگایا تو سسکیاں لے لے کر چپ ہونا بھی آگیا۔ یہ سارے حواس اور سارے شعور صرف جسم مصطفیٰ ﷺ کے مس نے اُسے عطا کردیئے۔

آپ ﷺ نے کھجور کے تنے سے مخاطب ہوکر فرمایا:

اَخْتَرْ اَنْ اَغْرِسَكَ فِی الْمَكَانِ الَّذِیْ كُنْتَ فِیْهِ فَتَكُوْنَ كَمَا كُنْتَ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ اَغْرِسَكَ فِی الْجَنَّةِ فَتَشْرَبَ مِنْ اَنْهَارِهَا وَ عُیُوْنِهَا فَیَحْسُنَ نَبْتُكَ وَتُثْمِرَ فَیَاْكُلَ اَوْلِیَاءُ اللّٰهِ مِنْ ثَمَرَتِكَ وَنَخْلِكَ فَعَلْتَ.

(مسند احمد بن حنبل، رقم ۲۱۲۹۵، جلد۵، ص۱۳۸)

''تم چاہو تو میں تمہیں اسی جگہ دوبارہ لگادوں جہاں تم پہلے تھے، اور تم دوبارہ ویسے ہی سرسبز و شاداب ہوجاؤ جیسا کہ کبھی تھے اور اگر چاہو تو (میری اس خدمت کے صلہ میں جو تم نے کچھ عرصہ سرانجام دی ہے) تمہیں جنت میں لگادوں، وہاں تم جنت کی نہروں اور چشموں سے سیراب ہوتے رہو، پھر تمہاری نشوونما بہترین ہوجائے اور تم پھل دینے لگو اور پھر اولیاء اللہ، تمہارا پھل کھائیں، اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایسا کردیتا ہوں''۔

یہاں بھی حضور ﷺ کا اختیار ملاحظہ کریں کہ آپ ﷺ دعا نہیں کررہے، کسی ایک روایت میں بھی دعا کا لفظ نہیں آیا کہ اللہ اسے ایسا کردے بلکہ براہ راست کھجور کے تنے سے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں ہی سرسبز و شاداب کردوں اور اگر چاہے تو تجھے جنت میں لگادوں۔ عظمت مصطفیٰ ﷺ کا عالم یہ ہے کہ یہ اختیار اور قدرت اللہ نے آپ ﷺ کو عطا کررکھی تھی کہ چاہے تو دنیا میں کھجور کے درخت کو آقا ﷺ جنت میں لگادیں۔ جنت بھی حضور ﷺ کے اختیار میں ہے، دنیا بھی اختیار میں ہے۔

اس درخت نے حضور ﷺ کی ان دونوں آپشنز کو سنا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے جنت میں لگادیں تاکہ نبی اور ولی بھی میرا پھل کھائیں۔

فَزَعَمَ اَنَّه سَمِعَ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَ یَقُوْلُ لَهٗ: نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ. مَرَّتَیْنِ فَسَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: اخْتَارَ اَنْ اَغْرِسَه فِی الْجَنَّةِ.

''راوی کا بیان ہے کہ اس نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے اسے دو مرتبہ فرمایا: ہاں میں نے ایسا کردیا۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھجور کے اس تنے نے یہ اختیار کیا کہ میں اسے جنت میں لگادوں''۔

یعنی صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے استنِ حنانہ کو دونوں آپشنز دینے کے بعد اس کو دوبار یہ کیوں فرمایا کہ ہاں میں نے کردیا۔ آقا ﷺ نے فرمایا: اس نے میری بات سن لی اور کہا کہ آقا ﷺ اب یہاں نہیں جنت میں لگادیں اور وہاں آپ بھی پھل کھائیں اور اولیاء بھی پھل کھائیں تو میں نے اس کو کہا **نعم فعلت فعلت** میں نے تمہیں جنت میں لگادیا۔ میں نے تمہیں جنت میں لگادیا۔

حضور ﷺ کا میلاد منانے والو! حضور کی محبت کا دم بھرنے والو، سنو! وہ کھجور کا تنا حضور ﷺ سے عشق کرنے لگ گیا تو اس کے صلہ میں اس کو اتنا شعور آگیا کہ اس نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ یہ نہیں کہا کہ دنیا میں ہرا بھرا کردیں بلکہ آخرت میں اولیاء و صالحین کو ترجیح دی۔ ایک درخت آخرت کو ترجیح دے رہا ہے جبکہ ہم انسان اور آقا ﷺ کے غلام ہوکر بھی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیئے ہوئے ہیں۔ ہم سے کتنے ہیں جنہیں کھجور کے درخت جیسا شعور مل گیا ہو۔۔۔؟ کتنے ہیں جنہوں نے دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی نعمت پر ترجیح دے دی ہو۔۔۔؟ ہمیں بھی آقا ﷺ کی محبت و عشق سے اسی طرح کا شعور حاصل کرنا ہوگا کہ ہم بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لئے اپنے ذاتی مفادات کو قربان کردیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں:

خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَصَلّٰی قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَیْنَاكَ تَنَاوَلُ شَیْئًا فِی مَقَامِكَ ثُمَّ رَاَیْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ؟ قَالَ اِنِّی اُرِیْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُه لَاَكَلْتُمْ مِنْه مَابَقِیَتِ الدُّنْیَا.

(البخاری فی الصحیح، کتاب صفۃ لصلاۃ، ۱/۲۶۱، رقم:۷۱۵)

’’(ایک مرتبہ) رسول اللہ کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہوا اور آپ نے نماز کسوف پڑھائی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے کوئی چیز پکڑی پھر ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کسی قدر پیچھے ہٹ گئے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے جنت دکھائی گئی میں نے اس میں سے ایک خوشہ پکڑ لیا۔ اگر اسے توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس سے کھاتے رہتے (یعنی وہ ختم نہ ہوتا)‘‘۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس خیال سے جنت کے پھل امت کے لئے لینے کا عمل ترک فرمادیا کہ کہیں امت محنت مزدوری کرنا ترک نہ کردے اور صرف جنت کے اسی پھل پر اکتفا کر بیٹھے۔ پس آپ ﷺ نے پسند کیا کہ امت محنت، مزدوری اور مشقت کرے، کبھی کھانے کو ملے اور کبھی بھوک ملے تاکہ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اس سے مانگے اور اس کا قرب حاصل کرسکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آقا ﷺ کے اختیار و تصرف کا یہ عالم ہے کہ جنت کے درخت کے پھلوں کے خوشے اگر لانا چاہتے تو آقا ﷺ وہ بھی لاکر دے سکتے تھے اور قیامت تک وہ پھل ہمارے اندر رہتے۔ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ بعض اہل العلم کو اس حدیث کے بارے ایک مغالطہ ہے اور وہ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ آقا ﷺ کو جنت نہیں بلکہ جنت کی تصویر دکھائی گئی تھی۔ ایسی سوچ رکھنے والے لوگ توبہ کریں، یہ نادانی کی بات ہے۔ آقا علیہ السلام کی فہم پر معاذ اللہ ان لوگوں نے اتنا شک کرلیا کہ آپ ﷺ حقیقی جنت اور جنت کی تصویر میں فرق نہ کرپائے۔ یہ فرق تو ایک عام آدمی بھی کرسکتا ہے۔ اگر تصویر نظر آئے تو جان لیتا ہے کہ یہ تصویر ہے۔ تصویر کے درخت کے پھلوں کو پکڑنے کے لئے ایک بچہ بھی ہاتھ نہیں ڈالتا، اس بچے کو بھی پتہ ہے کہ یہ تصویر ہے اور تصویر کے درخت اور پھلوں پہ ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔

یہ لوگ تاجدار کائنات ﷺ کے فہم پر معاذ اللہ تہمت کے مرتکب ہوئے ہیں، انہیں اپنی اس سوچ پر توبہ کرنی چاہئے۔ اگر وہ تصویر ہوتی تو حضور ﷺ درخت کے خوشوں کو پکڑنے کے لئے ہاتھ نہ بڑھاتے اور یہ نہ فرماتے کہ اگر اسے توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے (یعنی وہ ختم نہ ہوتا)۔

آقا ﷺ نے یہ الفاظ تصویر کے لئے نہیں کہے بلکہ اصل جنت اور اصل درختوں کے پھلوں کے خوشے آقا ﷺ کے سامنے تھے۔ امت کو بتادیا کہ میرے تصرف و اختیار کا یہ عالم ہے کہ اگر جنت کے درختوں کو بھی دنیا میں آکر لگانا چاہوں تو لگا سکتا ہوں اور قیامت تک تم اس کا پھل کھاؤ۔ آقا ﷺ کے تصرف و اختیار اور عظمت و رفعت کا یہ عالم ہے کہ اللہ کے بعد کائنات کی ہر شے نہ صرف حضور ﷺ کے تابع بلکہ آقا علیہ السلام کے تصرف و اختیار میں ہے۔

تخلیق الماء پر تصرف

آقا علیہ السلام کے اختیار کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کو تخلیق الماء پر بھی تصرف حاصل تھا۔ جب کبھی وضو کا پانی صحابہ کے پاس نہ رہتا، خواہ وہ غزوہ ہو یا کوئی سفر، صحابہ کرامؓ تین سو کی تعداد میں ہوں یا حدیبیہ کی طرح پندرہ سو کی تعداد میں، آپ ﷺ نے ہر جگہ اپنے اصحابؓ کے لئے پینے اور وضو کے پانی کا اپنے تصرف سے بندوبست فرمایا۔ یہ واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے اور ان میں سے کوئی ایک واقعہ بھی کفار کے مطالبے پر پیش نہیں آیا۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر ہمارے پاس نہ پینے کا پانی تھا اور نہ وضو کا پانی تھا۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: کسی کے پاس چھاگل ہے، جس میں کوئی دو چار قطرے ہی پانی کے ہوں، ایک صحابی چھاگل لے کے آگئے، اس میں دو چار قطرے پانی کے تھے۔

فَوَضَعَ يَدَهٗ فِي الرِّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَثُوْرُ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّاْنَا قُلْتَ كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً.

(البخاری فی الصحیح کتاب المناقب، ۳/۱۳۱۰، رقم:۳۳۸۳)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے دست مبارک چھاگل کے اندر رکھا تو فوراً چشموں کی طرح پانی انگلیوں کے درمیان جوش مار کر نکلنے لگا ہم سب نے (خوب پانی) پیا اور وضو بھی کرلیا (سالم راوی کہتے ہیں) میں نے حضرت جابر سے پوچھا: اس وقت آپ کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی سب کے لئے کافی ہوجاتا جبکہ ہم تو پندرہ سو تھے''۔

یہ بات توجہ طلب ہے کہ بعض علماء آج کل اس طرح کی تمام احادیث کو ''تکثیر الماء'' کے تحت لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کا معجزہ یہ تھا کہ تھوڑا پانی بڑھ گیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تکثیر الماء نہیں بلکہ تخلیق الماء ہے۔ تھوڑا پانی دست مبارک ڈالنے سے بذات خود بڑھ جائے اس کو تکثیر الماء ''پانی کا بڑھ جانا'' کہتے ہیں۔ یاد رکھ لیں کہ پانی بڑھ جانے کا لفظ حدیث کی کسی عبارت میں نہیں آیا۔ حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھ رکھا اور آپ ﷺ کے ہاتھوں کی انگلیوں سے پانی کے چشمے ابل پڑے۔ تھوڑا پانی نہیں بڑھا بلکہ پانی کے چشمے دستِ مصطفیٰ ﷺ سے پھوٹے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے پانی مانگا، آپ نے پتھر پر اپنا عصاء مارا اور پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ چشمے پتھروں سے ہی پھوٹتے ہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء سے چشموں کا پھوٹنا معجزہ اس لئے بنا کہ وہ خشک پتھر تھے جبکہ دوسری طرف آقا علیہ السلام کے تصرف کا یہ عالم تھا انسانی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انسانی جسم سے پانی کے چشمے پھوٹے ہوں۔ لیکن آقا علیہ السلام نے چھاگل پر ہاتھ رکھا اور انگلیوں سے چشمے پھوٹے اور اتنا پانی میرے آقا علیہ السلام کی انگلیوں سے نکلا کہ کہتے ہیں کہ ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو بھی کافی رہتا۔ یہ تکثیر الماء القلیل یعنی کم پانی کو بڑھا دینا نہ تھا بلکہ اپنے تصرف و اختیار سے انگلیوں سے پانی کے چشمے پیدا کردینا تھا۔

☆ غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے قافلہ پریشان تھا۔ تیس ہزار صحابہ تھے، پندرہ ہزار اونٹ تھے، دس ہزار گھوڑے تھے۔ کل ملاکر تقریباً پچپن ہزار نفوس تھے۔ اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے حضرت ابوقتادہؓ کی چھاگل جس میں پانی کے چند قطرے تھے، اس پر ہاتھ رکھا۔

فَنَبَعَ الْمَاءُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ.

''تو پانی آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ پڑا''

اتنا پانی آقا ﷺ کے ہاتھوں میں سے نکلا کہ پچپن ہزار نفوس اس سے مستفید ہوئے۔

(صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، ۲/۹۷۴، رقم:۲۵۸۱)

یہ پانی کہاں سے پیدا ہوگیا جو پچپن ہزار نفوس پی گئے؟ یہ آقا ﷺ کو اللہ کی طرف سے حاصل تصرف تھا کہ آپ ﷺ پانی کو بڑھاتے نہ تھے بلکہ پانی پیدا فرمادیتے تھے اور چند قطروں کو پچپن ہزار نفوس کی ضرورت کے لئے کافی رہنے والا پانی بنادیتے۔

تخلیق الطعام پر تصرف

آپ ﷺ کی شان اقدس کا یہ عالم بھی تھا کہ نہ صرف پانی بلکہ آپ ﷺ طعام بھی تخلیق فرمادیتے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

میں ایک سفر میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ سفر اتنا طویل تھا کہ کھانے کو کچھ نہ رہا، صحابہ کرامؓ سینکڑوں کی تعداد میں بھوکے تھے، پریشان ہوئے

اور آقا ﷺ کی خدمت میں آگئے کہ آقا ﷺ کھانے کو کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

یَا اَبَاهُرَیرَةُؓ هَلْ مَعَكَ شَئی؟

''اے ابوہریرہؓ کیا تمہارے پاس کھانے کیلئے کچھ ہے''۔

انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس چھوٹی سی ایک تھیلی ہے، اس میں کچھ کھجوریں ہیں۔ آقا ﷺ نے فرمایا: لے آؤ۔ میں اس تھیلی کو لے کر آقا ﷺ کی بارگاہ میں آ گیا۔ اس میں سے اکیس کھجوریں نکلیں، وہ کھجوریں آقا علیہ السلام نے دسترخوان پر رکھ دیں۔ فرمایا:

دس، دس آدمیوں کے گروہ میرے پاس آتے جائیں۔ آقا علیہ السلام بلاتے گئے، دس دس آدمی آتے گئے، کل اکیس کھجوریں تھیں۔ ہر گروہ آتا گیا اور پیٹ بھر کے کھاتے گئے۔ اس طرح سینکڑوں صحابہ کرامؓ کو ان اکیس کھجوروں میں سے کھلا دیا۔

سوال یہ ہے وہ کھجوریں بڑھتی ہوئی نظر تو نہیں آ رہیں۔ اکیس تھیں دیکھتے ہی دیکھتے پچیس، یا چالیس، پچاس، سو نہیں بنیں۔ بڑھ نہیں رہیں بلکہ اکیس کی اکیس ہی پڑی ہیں اور سینکڑوں صحابہ کرامؓ کا لشکر کھا رہا ہے۔ وہ کھجوریں کہاں سے پیدا ہو رہی ہیں؟ دراصل یہ کھجوریں حضور ﷺ تخلیق فرما رہے ہیں۔

جب سارے صحابہ اور لشکریوں نے پیٹ بھر لیا تو آقا ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو فرمایا: ان کھجوروں کو اپنی تھیلی میں ڈال کر اپنے پاس محفوظ کر لو، جب زندگی میں کبھی بھی ضرورت پڑے نکال کر کھاتے رہنا، تقسیم کرتے رہنا، مہمانوں، پڑوسیوں اور محلے داروں کو کھلاتے رہنا، کبھی ختم نہ ہوں گی لیکن کھول کر کبھی نہ دیکھنا۔ صرف تھیلی سے جتنی ضرورت پڑے نکالتے رہنا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ وہ اکیس کھجوریں میں نے تھیلی میں واپس ڈال دیں۔ آقا علیہ السلام کی حیات طیبہ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے اڑھائی سال، سیدنا فاروق اعظمؓ کی خلافت کے دس سال، حتی کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بارہ سال گزر گئے۔ میں اسی تھیلی میں سے کھجوریں کھاتا رہا اور لوگوں کو کھلاتا رہا۔ تھیلی بھی اتنی چھوٹی تھی کہ میں نے اسے اپنی کمر کے ساتھ باندھ رکھا تھا پچیس سال تک کھجوریں کھاتا رہا، تقسیم کرتا رہا۔ حتی کہ دو سو وسق کھجوریں ہم نے خود کھائیں، پچاس وسق کھجوریں صدقہ و خیرات کیں۔ بعد ازاں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر ہونے والی افراتفری کے دوران وہ تھیلی گم ہوگئی۔ وگرنہ نسلوں تک، صدیوں تک وہ کھجوریں ختم نہ ہوتیں۔ (مسند احمد بن حنبل، ۲/۳۵۲، رقم: ۸۶۱۳)، (دلائل النبوہ للبیھقی، ۶/۱۱۰)

ایک وسق 240 کلوگرام کے برابر ہوتا ہے۔

میں نے حساب لگایا تو یہ کل وزن جو حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں ساڑھے اکتیس ہزار کلو قریباً 787 من بنتا ہے۔ پچیس سال میں اکیس کھجوریں تھیلی میں جوں کی توں رہیں اور آقا ﷺ کے تصرف و تخلیق الطعام کے باعث 787 من کھجوریں اس چھوٹی سی تھیلی سے نکلتی رہیں۔

تاجدار کائنات ﷺ کو اللہ رب العزت نے وہ تصرف عطا کیا کہ جس شے کو اشارہ کر دیتے اور جو فرما دیتے وہی چیز ہو جاتی۔ دنیا و آخرت سب کچھ تاجدار کائنات ﷺ کے تصرف و قدرت میں ہے۔ لوگو! آقا ﷺ کے قدمین مبارک سے ایسی نسبت قائم کر لو جیسی صحابہ کرامؓ نے قائم کی تھی۔ نتیجتاً تمہاری تقدیریں بدل جائیں گی، ان شاء اللہ۔

صحابہ کرامؓ کا عقیدہ بھی ملاحظہ کریں کہ ان کو پتہ بھی ہے کہ آقا ﷺ کے پاس بھی تو ظاہراً کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں مگر اس کے باوجود پانی نہ ہوتا تو حضور ﷺ سے مانگتے۔۔۔ کھانا نہ ہوتا تو حضور ﷺ سے مانگتے۔۔۔ بارش نہ ہوتی تو حضور ﷺ سے مانگتے۔۔۔ قحط ہوتا تو حضور ﷺ کے پاس آ کر سوال کرتے۔۔۔ ان کو پتہ تھا کہ رب کائنات نے تاجدار کائنات ﷺ کو ساری کائنات کا مالک و متصرف بنایا ہے اور انہیں امرِ تکوین عطا کر رکھا

ہے۔ اتنا تصرف، اختیار اور قدرت دی ہے کہ جس شے کو اشارہ کردیں، جو چاہیں وہ شے وہی بن جائے۔

زمین پر تصرف

نہ صرف عالم نباتات، جمادات، حیوانات حضور ﷺ کی اطاعت کرتے بلکہ ہر شے حتی کہ پوری کرۂ ارضی پر بھی آقا ﷺ کا تصرف ہے۔ حضرت انس ابن مالکؓ راوی ہیں کہ

ایک شخص مسلمان ہوا اور آقا علیہ السلام کا کاتب بن گیا، اس کو لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ اس لئے وحی کی کتابت کرتا تھا۔ بعد میں بدبخت دنیاوی مفاد میں مرتد ہوگیا اور مشرکین سے جاملا اور آقا علیہ السلام کی گستاخی کرنے لگا۔ حضور ﷺ پر اترنے والی وحی میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگا۔ آقا علیہ السلام تک بات پہنچی آقا نے ایک جملہ فرمایا:

اِنَّ الْاَرْضَ لَمْ تَقْبَلْهُ.

''زمین اس کو قبول نہیں کرے گی''۔

اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ بلند نہیں کئے کہ یااللہ اسے زمین قبول نہ کرے بلکہ واضح انداز میں فرمادیا کہ زمین اسے ہرگز قبول نہیں کرے گی۔ حضرت ابوطلحہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ شخص مرا، ہم اس کو دفن کرتے تھے، زمین اٹھا کر اس کی لاش کو باہر پھینک دیتی تھی۔ پھر لوگ دوبارہ دفن کرتے تھے مگر قبر اُسے اٹھا کر باہر پھینک دیتی تھی۔

دَفَنَّاهُ مِرَارًا فَلَمْ تَقْبَلْهُ الْاَرْضُ.

''ہم نے کئی بار اس کو دفنایا مگر زمین نے اس کو قبول نہیں کیا''۔

(احمد بن حنبل، المسند، ۳/۱۲۰، رقم:۱۲۲۳۶)

اسلئے کہ جو شخص ہمارے آقا ﷺ پر تہمت لگائے تو زمین کیسے گوارا کرے کہ ایسے شخص کو اپنے دامن میں لے جس نے حضور ﷺ سے بے وفائی کی ہو۔ حضور ﷺ تو مالک ومتصرف اور مالک ومختار ہیں۔

بادل، بارش اور ہوا پر تصرف

کائنات ارض وسماوی کی ہر شے پر حضور بلند ہیں اور ہر شے آپ ﷺ کے تصرف و اختیار میں ہے چاہے وہ ارضی ہو یا سماوی، آپ ﷺ کی اس شانِ تخلیق و تکوین کے سبب سب آپ ﷺ کے تابع ہیں۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ

مدینہ میں ایک دفعہ طویل قحط ہوگیا، جانور مرنے لگے، کھیتیاں تباہ ہوگئیں۔ جمعہ کا دن آیا، میرے آقا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم مرگئے، ہماری کھیتیاں اجڑ گئیں، جانور مرگئے، کچھ نہیں بچا۔ آپ نے بارش کے لئے دعا فرمائی۔ ابھی منبر سے نیچے بھی تشریف نہیں لائے تھے کہ اسی وقت بادل آگئے اور بارش شروع ہوگئی۔ صحابہ کہتے ہیں کہ بارش اس قدر جلد اور تیز ہوئی کہ ہم نے دوران خطبہ ہی بارش کے قطرے آپ ﷺ کی ریش مبارک سے ٹپکتے ہوئے دیکھے۔ پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی۔ اگلا جمعہ آگیا، حضور نبی اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ پھر وہ اعرابی یا کوئی اور کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے گھر گر گئے، رستے بند ہوگئے، بارش تھمنے کو نہیں آرہی۔ آقا علیہ السلام نے اس کی بات سنی اور مسکرادیئے۔ پھر (اپنے سراقدس کے اوپر بادل کی طرف انگلی مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے اسے حکم) فرمایا:

حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا.

(البخاری فی الصحیح، کتاب المناقب، ۳/۱۳۱۳، رقم:۸۷۷)

''اے بادلو ہمارے اردگرد برسو، ہمارے اوپر نہ برسو''۔

صحابی کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نے بادلوں کی طرف دیکھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹتے چلے گئے

اور مدینہ شہر سے ہٹ گئے اور اردگرد برستے رہے۔

تَصَدَّعَ حَوْلَ الْمَدِيْنَةِ كَاَنَّه اِكْلِيلٌ.

''اسی وقت بادل مدینہ کے اوپر سے ہٹ کر چاروں طرف یوں چھٹ گئے گویا وہ تاج ہیں (یعنی تاج کی طرح دائرہ کی شکل میں پھیل گئے)''۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فَمَا جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّمَاءِ اِلَّا تَفَرَّجَتْ حَتّٰى صَارَتِ الْمَدِيْنَةُ فِي مِثْلِ الْجَوْبَةِ.

(البخاری فی الصحیح، کتاب الاستسقاء، ۱/۳۴۹، رقم:۹۸۶)

''آپ ﷺ دست مبارک سے آسمان پر جس طرف اشارہ فرماتے، ادھر سے بادل چھٹ جاتے یہاں تک کہ مدینہ منورہ تھالی کی طرح (صاف) ہوگیا''۔

حتی کہ اردگرد مہینے تک بارش برستی رہی، جو ملحقہ علاقوں سے آتا وہ اس بات کی گواہی دیتا لیکن مدینے پر بادل لوٹ کر نہ آئے۔

☆ آقا ﷺ کا تصرف زمین و آسمان، دنیا و جنت، جمادات و نباتات، بادلوں و بارشوں، کنکریوں اور خشک زمینوں پر بھی ہے۔ آقا علیہ السلام کا یہ تصرف و اختیار اعلان نبوت سے پہلے بھی تھا۔ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت سے ہی ہر شے آپ ﷺ کے دست تصرف میں تھی۔ امام سیوطی الخصائص الکبریٰ میں بیان کرتے ہیں کہ

جب آقا ﷺ کی عمر تین سال تھی اور آپ ﷺ، حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بیٹی حضرت شیما آپ ﷺ کو ساتھ لے کر بکریوں کو چرانے لے گئیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ پریشان ہوئیں اور کہا بیٹی شیما! میرے بیٹے محمد ﷺ کو دور دھوپ میں کہاں لے گئی تھی، حضرت شیما نے کہا:

يَا اُمَّه مَا وَجَدَ اَخِي حَرًّا رَاَيت غُمَامَةً تُظِلُّ عَلَيهِ اِذَا وَقَفَ وَقَفَت وَاِذَا سَارَ سَارَت حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى هٰذَا الْمَوْضِعِ قَالَت: اَحَقًّا يَابُنَيَّة قَالَت: اَيْ وَاللّٰهِ.

(السیوطی فی الخصائص الکبریٰ، ۱/۵۸)

''امی جان! میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگی: بادل ان پر مسلسل سایہ فگن رہا، جب یہ ٹھہرتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا اور جب یہ چلتے تو وہ بھی چل پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ ہم یہاں پہنچ گئے''۔

آقا علیہ السلام کے تصرف میں یہ سب کچھ اللہ پاک نے آپ ﷺ کے میلاد کے وقت سے ہی دے دیا تھا۔

مٹی اور کنکریوں پر تصرف

غزوہ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار صحابہ کرام پر مشتمل تھی۔ اس پر بعض صحابہ کے ذہن میں خیال آیا کہ آج ہماری تعداد بہت زیادہ ہے، آج دشمن ہمیں شکست نہیں دے سکتا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں ہوا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ لا وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ لا اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ.

''بے شک اللہ نے بہت سے مقامات میں تمہاری مدد فرمائی اور (خصوصاً) حنین کے دن جب تمہاری (افرادی قوت کی) کثرت نے تمہیں نازاں بنا دیا تھا پھر وہ (کثرت) تمہیں کچھ بھی نفع نہ دے سکی اور زمین باوجود اس کے کہ وہ فراخی رکھتی تھی، تم پر تنگ ہوگئی چنانچہ تم پیٹھ دکھاتے ہوئے پھر گئے''۔ (التوبہ:۲۵)

مسلمانوں کا دھیان اپنی کثرت کی طرف چلا گیا اور وہ اس پر نازاں ہوگئے۔ اس ایک لمحے کے لئے مسلمانوں کا دھیان بشری کمزوریوں کے باعث حضور ﷺ کی موجودگی سے ہٹ گیا، نتیجتاً وقتی طور پر نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ صحابہ کی اکثریت مخالف سمت سے کثرت سے آنے والے تیروں کے سبب پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھی، پانسہ پلٹ گیا، قدم اکھڑ گئے۔ آقا علیہ السلام اس تمام صورت حال میں ایک وقت تک خاموش رہے تاکہ اپنی کثرت اور اپنی جنگی مہارت پر ناز کرنے والے اپنی مہارت اور کثرت

کا انجام دیکھ لیں۔ اللہ پاک نے بھی انتظار کیا لیکن رب چاہتا نہیں تھا کہ مصطفیٰ ﷺ کے صحابہؓ اور غلاموں کو شکست ہو۔ یہ ایک عارضی وقت، لمحہ اور دورانیہ تھا جس میں مسلمانوں کو شکست ہوچکی تھی اور کفار فتح یاب ہوگئے تھے۔

ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ مِنَ الْأَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهٖ وُجُوْهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ.

(مسلم فی الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، ۳/۱۴۰۲، رقم:۱۷۷۷)

''(اس وقت آقا ﷺ نے) پھر زمین سے خاک کی ایک مٹھی اٹھا کر دشمن کے چہروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے قبیح ہوگئے''۔

تیس ہزار کی تعداد میں کفار کا لشکر تھا۔ آقا ﷺ نے مٹھی بھر مٹی و کنکریاں ان کی طرف پھینکیں۔ وہ کنکریاں تیس ہزار کفار کی آنکھوں میں اور سروں پر ضرب لگانے لگیں۔ کفار ان کنکریوں سے بچنے کے لئے بھاگنے لگے۔ جن کنکریوں کو آقا ﷺ نے پھینکا تھا، وہ زمین پر نہ گرتیں بلکہ جو کنکری جس کو لگی تھی وہ کنکری اس کے بھاگنے پر اس کے پیچھے بھی دوڑنے لگی اور اس کے گھر پہنچنے تک ہتھوڑوں کی طرح اس کے سر پر برستی رہی۔ کفار کہتے ہیں:

فَمَا خُيِّلَ إِلَيْنَا إِلَّا أَنَّ كُلَّ شَجَرَةٍ وَحَجَرٍ فَارِسٌ يَطْلُبُنَا قَالَ ثَقَفِيٌّ فَأَعْجَرْتُ عَلَى فَرَسِي حَتّٰى دَخَلْتُ الطَّائِفَ. (البخاری، فی التاریخ الکبیر، ۶/۳۱۰، رقم:۲۴۹۲)

''ہمیں ایسے لگا کہ ہر پتھر کنکری اور ہر درخت (کا خشک ٹکڑا) ایک گھڑ سوار ہے جو ہمیں تلاش کر رہا ہے۔ ثقفی نے کہا: میں نے خوفزدہ ہوکر گھوڑے کو تیز دوڑایا حتی کہ میں طائف پہنچ گیا (لیکن وہ کنکریاں ہمارے گھروں تک ہمارا تعاقب کرتی رہیں)''۔

یعلی بن عطاء روایت کرتے ہیں کہ

لَمْ يَبْقَ مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا امْتَلَأَتْ عَيْنَاهُ وَفَمُهُ تُرَابًا وَسَمِعْنَا صَلْصَلَةً بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ كَأَمْرَارِ الْحَدِيْدِ عَلَى الطَّسْتِ الْحَدِيْدِ.

(احمد بن حنبل فی المسند، ۵/۲۸۶، رقم:۲۲۵۲۰)

''ہم میں سے ایک بھی آدمی ایسا نہ بچا جس کی آنکھیں اور منہ مٹی سے نہ بھر گیا ہو۔ ہم نے زمین و آسمان کے درمیان ایسی گونج سنی جیسے لوہے کو لوہے کی پلیٹ پر رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے''۔

سبحان اللہ! ان کنکریوں کو آنکھیں کس نے دیں کہ اس ایک ایک کنکری نے ایک ایک کافر کو پہچان لیا۔۔۔ اس کنکری کو یہ شعور کس نے دیا۔۔۔؟ اس کنکری کو یہ بصارت کس نے دی۔۔۔ اور مسلسل مارنے کی طاقت کس نے دی۔۔۔ اور ان کفار کو ان کے گھروں تک پہنچانے کا احساس کس نے دیا۔۔۔؟ مسئلہ صرف یہ نہیں کہ ان کنکریوں کے مارنے سے شکست ہوگئی بلکہ بات بہت آگے کی ہے اور وہ یہ کہ آقا ﷺ کے دست مبارک لگنے اور آپ کی توجہ ہونے سے وہ کنکریاں زندہ ہوگئیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزے سے تو مردہ انسان زندہ ہوتے تھے۔ آقا ﷺ کے دست مبارک اگر پتھروں، کنکریوں کو مس کرگئے تو کنکریاں باشعور زندگی پاگئیں اور ان کو آنکھیں مل گئیں۔

اس واقعہ سے صحابہ کرامؓ اور امت کو بھی پیغام دے دیا کہ کوئی شخص اپنی مہارت و تعداد پر بھروسہ نہ کرے، نہ مال و دولت پر بھروسہ کرے بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ سب کچھ آقا علیہ السلام کے در سے اور آپ ﷺ کے توسل و تصدق سے ہی ملتا ہے۔

امت کیلئے پیغام

آج امت مسلمہ پریشان اور زوال کا شکار ہے۔ اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ ہم نے آقا ﷺ کے ساتھ اپنے تعلق کا حق ادا نہیں کیا۔ افسوس ہم اپنے اوپر بھروسے کرگئے اور اپنا تعلق آقا ﷺ کی ذات سے عشق و محبت اور اطاعت و اتباع کا تعلق کاٹ دیا۔ نتیجتاً شکست خوردہ ہوگئے۔ ہم نے آقا علیہ السلام کی محبت کے صرف نعرے

لگائے اور ہماری زندگیوں میں عشق مصطفیٰ ﷺ عمل کی شکل میں نظر نہیں آتا۔ ہم حضور ﷺ کی محبت کے دعوے کرتے ہیں مگر سیرت مصطفیٰ ﷺ کے رنگ میں ہماری سیرتیں ڈھلتی نظر نہیں آتیں۔

آئیں! عہد کریں کہ اپنی سیرتوں کو مصطفیٰ ﷺ کی سیرت اور اسوہ کے تابع کریں گے۔ حضور ﷺ سے عشق اور محبت کا وہ درس لیں جو دلوں میں عشق کی چنگاری بھڑکا دے۔۔۔ زندگی کو آقا علیہ السلام کے طرزِ عمل اور اسوہ حسنہ کے مطابق ڈھالیں۔۔۔ ظاہر اور باطن میں حضور ﷺ کی غلامی میں آجائیں۔۔۔ حضور ﷺ کے درس کو اپنانے سے ہی انسان، انسان سے محبت کرے گا۔۔۔ مسلمان مسلمان سے محبت کرے گا۔۔۔ ہمسایہ، ہمسائے سے محبت کرے گا۔۔۔ غریب، امیر سے اور امیر، غریب سے محبت کرے گا۔۔۔ رشتہ دار، رشتہ دار سے محبت کرے گا۔۔۔ ہر فرد اپنے معاشرے سے محبت کرے گا اور نتیجتاً معاشرے سے بے چینی اور غربت ختم ہوجائے گی۔

اپنے وسائل غریبوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے صرف کریں۔ لوٹ مار اور کرپشن ختم کردیں۔ اگر ہر شخص جس کو اللہ نے وسائلِ دولت اور طاقت دی اسے چاہئے کہ وہ اپنی طاقت اور اپنے وسائل حضور ﷺ کی غریب امت کو سنوارے اور علم و عمل کو پھیلانے میں صرف کرے۔۔۔ سیرت کو نیک بنائے۔۔۔ تعلیم عام کرے۔۔۔ غربت کو مٹائے اور صدقہ و خیرات کے ذریعے ہر طرف اپنے وسائل عام کردے تاکہ معاشرے میں خوشحالی کا دور ہو اور معاشی و معاشرتی ترقی آئے۔ ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ بھی اور آقا علیہ السلام بھی خوش ہوں گے اور امت مسلمہ کی تقدیر بھی بدل جائے گی۔

مصطفیٰ ﷺ کو اللہ نے بہار کے موسم میں ہمیں عطا فرمایا۔ میری دعا ہے کہ حضور ﷺ کے صدقے امت مسلمہ اور تمام طبقات انسانی کو بہار مل جائے۔ اس بہار سے انسانی زندگیوں کو بہار نصیب ہوجائے، شدتیں ختم ہوجائیں، ٹھنڈک ملے، پیار و سکون ملے اور امن و خوشحالی نصیب ہو۔

پاکستان کے حالات کو بدلنے کے لئے، اس ملک کو خوشحال کرنے، اس ملک سے غربت کو دور کرنے، اس ملک کے غریبوں کے منہ میں رزق حلال کا لقمہ دینے، علم کو عام کرنے، لوٹ مار کے نظام کو ختم کرنے اور امانت و دیانت کا نظام لانے کے لئے ہر پاکستانی کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا اور اپنے اپنے حصے کی شمع روشن کرنا ہوگی۔ میلاد مصطفیٰ ﷺ اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کا یہی پیغام ہے کہ ظلم جبر، خیانت و بددیانتی، کرپشن، غربت اور جہالت کے خلاف اٹھیں اور ان کا خاتمہ کریں۔۔۔ کرپشن کے ہاتھ روکیں۔۔۔ غریبوں کے چہرے پر مسکراہٹ لائیں۔۔۔ جو بے گھر ہیں ان کو گھر دلائیں۔۔۔ جو پریشان حال ہیں ان کو خوشیاں دلائیں۔۔۔ اس عظیم پرامن سبز انقلاب کے لئے ہر شخص کو میدانِ عمل میں اترنا ہوگا۔ ہمارا انقلاب عدمِ تشدد پر مبنی انقلاب ہے۔ امن کی طاقت آنے والی ہے۔ بہارِ زندگی، انسانی حقوق کی بحالی اور علم و امن کا وقت آنے والا ہے۔ لٹیروں، وڈیروں اور حرام خوروں سے ان کی طاقت کو چھین لو تاکہ پورے خطے میں امن، عدل اور انصاف کا دور دورہ ہو۔

اللہ رب العزت ہم سب کو، پورے خطے کے مسلمانوں کو اور پوری دنیا کے انسانوں کو یہ توفیق دے کہ وہ عدل اور انصاف کو پوری دنیا میں قائم کرسکیں اور جہاں جہاں ناانصافی، ظلم و بربریت اور دہشت گردی و کرپشن ہے اس کے خاتمے کے لئے قدم اٹھاسکیں۔ جب کوئی قوم اپنے حقوق کے لئے اٹھے گی تب ہی اللہ تعالیٰ کی مدد بھی نازل ہوگی اور کامیابی نصیب ہوگی۔ حضور ﷺ کے میلاد کے صدقے اللہ تعالیٰ ہم سب کو مزید مدد و نصرت، اپنے لطف و کرم اور انعام و احسان سے نوازے۔ ہر لمحہ آقا ﷺ کی توجہات و فیوضات ہمارے شامل حال ہوں اور جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ ہماری زندگیوں کا حقیقی جشن بن جائے۔

الفقہ

آپ کے دینی مسائل

مفتی عبدالقیوم خاں ہزاروی

سوال: مطلقہ اور بیوہ عورت کی عدت کے متعلق رہنمائی فرمادیں؟

جواب: قرآن مجید میں عدت کے حوالے سے درج ذیل واضح و صریح ارشادات مذکور ہیں۔ بیوہ عورت کی عدت کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ج فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (البقرة، ٢: ٢٣٤)

''اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں، پھر جب وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مؤاخذہ نہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح خبردار ہے''۔

دوسرے مقام پر حاملہ مطلقہ، مطلقاً مطلقہ اور بڑی عمر کی مطلقہ عورتوں کی عدت کے حوالے سے یوں رہنمائی فرمائی:

وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ط وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ○ (الطلاق، ٦٥: ٤)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہوچکی ہوں اگر تمہیں شک ہو (کہ اُن کی عدّت کیا ہوگی) تو اُن کی عدّت تین مہینے ہے اور وہ عورتیں جنہیں (ابھی) حیض نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدّت ہے)، اور حاملہ عورتیں (تو) اُن کی عدّت اُن کا وضعِ حمل ہے، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے (تو) وہ اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہے''۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی عدت کے بارے واضح ارشادات موجود ہیں۔ آیئے چند احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں:

☆ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَسْلَمَ يُقَالُ لَهَا سُبَيْعَةُ كَانَتْ تَحْتَ زَوْجِهَا تُوُفِّيَ عَنْهَا وَهِيَ حُبْلَى فَخَطَبَهَا أَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ فَأَبَتْ أَنْ تَنْكِحَهُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا يَصْلُحُ أَنْ تَنْكِحِيهِ حَتَّى تَعْتَدِّي آخِرَ الْأَجَلَيْنِ فَمَكُثَتْ قَرِيبًا مِنْ عَشْرِ لَيَالٍ ثُمَّ جَائَتْ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ انْكِحِي.

''حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ بنو اسلم کی سبیعہ نامی ایک عورت کا خاوند فوت ہوگیا اور وہ اس وقت حاملہ تھی۔ تو ابو السنابل بن بعکک نے اُسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے نکاح کرنے

سے انکار کردیا۔ ابو السنابل نے کہا کہ خدا کی قسم تیرے لئے نکاح کرنا اس وقت تک مناسب نہیں ہے۔ جب تک تو بھی عدت پوری نہ کرلے۔ چنانچہ ابھی دس روز ہی گزرے تھے (کہ بچہ پیدا ہوگیا) اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئی تو آپ نے فرمایا کہ تم نکاح کرلو''۔

(بخاري، الصحيح، ۵: ۲۰۳۷، رقم: ۵۰۱۲، دار ابن كثير اليمامة بيروت)

☆ حضرت زینب نے فرمایا کہ میں حضرت اُم حبیبہ زوجہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ اُن کے والد ماجد حضرت ابو سفیان بن حرب کا انتقال ہوگیا تھا۔ تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خوشبو منگائی جس میں خلوق یا کسی اور چیز کی زردی تھی۔ پھر انہوں نے وہ خوشبو ایک لڑکی کو لگائی اور تھوڑی سی اپنے رخسار پر بھی مل لی اور فرمایا کہ خدا کی قسم، مجھے خوشبو کی حاجت نہیں لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.

''کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو کہ تین دن سے زیادہ کسی میت کا سوگ کرے سوائے اپنے خاوند کے اُس کا سوگ چار ماہ دس دن ہے''۔ (بخاري، الصحيح، ۵: ۲۰۴۲، رقم: ۵۰۲۴)

☆ حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ (اپنی والدہ ماجدہ) کو فرماتے ہوئے سنا کہ

جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدْ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا أَفَتَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذَلِكَ يَقُولُ (لَا) ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ.

''ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئی: یارسول اللہ! میری بیٹی کا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کی آنکھ میں تکلیف ہے تو کیا ہم اسے سرمہ لگادیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے دو تین مرتبہ انکار فرمایا اور ہر دفعہ آپ فرماتے کہ نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سوگ چار ماہ دس دن ہے۔ حالانکہ زمانہ جاہلیت کے اندر تم میں سے عورت ایک سال کے بعد مینگنیاں پھینکتی تھی''۔

(بخاري، الصحيح، ۵: ۲۰۴۲، رقم: ۵۰۲۴)

☆ حفصہ بنت سیرین نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ

كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَطَّيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ.

''ہمیں منع فرمایا گیا کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں مگر خاوند کا چار مہینے دس دن تک اور نہ سرمہ لگائیں نہ خوشبو استعمال کریں اور نہ رنگے ہوئے کپڑے پہنیں، سوائے پہلے سے رنگے ہوئے کپڑے اور ہمیں یہ اجازت ملی کہ پاکی کی حالت میں جب ہم میں سے کوئی حیض سے فارغ ہو تو اظفار کی عود کا استعمال کرلے اور ہمیں جنازے کے پیچھے جانے سے منع فرمایا گیا۔''

(بخاري، الصحيح، ۵: ۲۰۴۳، رقم: ۵۰۲۷)

محدثینِ کرام نے مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں جو لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''دور جاہلیت میں بیوہ مکمل ایک سال اس طرح عدت گزارتی کہ سب سے الگ گندے، تاریک، تنگ کمرے میں رہتی۔ سال بھر نہ پانی استعمال کرتی، نہ لباس بدلتی، نہ اہل خانہ کے ساتھ ان کے برتنوں میں کھانا کھاتی، نہ بستر بدلتی، نہ

ناخن ترشواتی، نہ ہاتھ منہ دھوتی، نہ غسل کرتی، سال بھر اس طرح گذارتی۔ پھر ایک تقریب منعقد ہوتی جس میں وہ کسی مرغی یا پرندے پر ہاتھ پھرتی تو وہ اس کے زہر سے مر جاتا اور اس کے بال جھڑ جاتے، اس کے بعد اونٹ یا کسی اور جانور کی مینگنیاں لاتے وہ مینگنیاں پھینکتی ہوئی باہر آتی''۔

(عيني، عمدة القاري، ٢١: ٣، ٤)، (عسقلاني، فتح الباري، ٩: ٤٨٩)، (النووي، شرح صحيح مسلم، ١٠: ١١٤)

عدت کے حوالے سے فقہاء کرام بیان کرتے ہیں کہ

عدة الحامل وضع الحمل لقوله تعالى ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط﴾ أطلقها فشمل الحرة والأمة المسلمة والكتابية مطلقة أو متاركة في النكاح الفاسد أو وطء بشبهة والمتوفى عنها زوجها لاطلاق الآية.

وقال ابن مسعود ﷺ من شآء بأهلته ان سورة النساء القصرى نزلت بعد التي في البقرة يريد بالقصرى ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ وبالطولى ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ﴾ الآية. وفي رواية من شآء لاعنته وفي رواية حالفته وكانوا اذا اختلفوا في أمر يقولون لعنة الله على الكاذب منا قالوا وهي مشروعة في زماننا كما في غاية البيان وفتح القدير

وقال عمر ﷺ لو وضعت وزوجها على سريره لا نقضت عدتها ويحل لها أن تتزوج. عن علي و ابن عباس رضي الله عنهم تعتد الحامل المتوفي عنها زوجها بأبعد الأجلين يعني لا بد من وضع الحمل ومضي أربعة أشهر وعشر... قال في المحيط علي كرم الله وجهه تعتد بأبعد الأجلين وهما الاشهر و وضع الحمل.

(ابن نجيم، البحرالرائق، ٤: ١٤٥)

(مذکورہ بالا عبارت البحرالرائق کی ہے لیکن الجامع الصغیر، المبسوط، الہدایۃ اور فتح القدیر میں بھی یہی مؤقف ہے۔)

''حاملہ کی عدت بچے کی پیدائش ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے''۔ یہ (حکم) مطلق ہے۔ سو (یہ حکم) شامل ہے آزاد عورت کو، مسلمان ہو یا کتابی باندی کو، طلاق والی یا نکاح فاسد کی صورت میں یا وطی، بالشبہ کی صورت میں الگ کی گئی کو، یا جس کا خاوند فوت ہو جائے۔

عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا: جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرتا ہوں کہ چھوٹی سورۂ نسآء یعنی سورۂ طلاق، سورۂ بقرہ کے حکم کے بعد نازل ہوئی ہے (یعنی سورۂ بقرہ میں بیوہ کی عدت جو چار ماہ دس دن مذکور ہے اس سے حاملہ کی عدت مستثنیٰ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش ہے)۔ ایک روایت میں ہے جو چاہے میں اس سے لعان کر سکتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے، حلف اٹھاتا ہوں اور جب لوگ کسی بات میں اختلاف کرتے تو کہتے، ہم میں سے جھوٹے پر اللہ کی لعنت۔ علماء نے کہا ہمارے زمانہ میں یہ (تحالف) جائز ہیں۔ جیسا کہ غایۃ البیان اور فتح القدیر میں ہے۔

حضرت عمر فاروق ﷺ نے فرمایا: اگر خاوند کی میت چارپائی یا پھٹے پر پڑی ہو اور بیوہ کا بچہ پیدا ہو جائے تو بھی عدت ختم اور اس بی بی کو کسی اور سے نکاح کرنا جائز ہے۔

حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حاملہ بیوہ دُور والی (طویل) عدت گذارے یعنی وضع حمل (بچے کی پیدائش) اور چار ماہ دس دن بھی گذارے۔

امام سرخسی نے محیط میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول نقل کیا ہے کہ چار ماہ دس دن اور وضع حمل میں سے جو زیادہ ہو وہ عدت گذارے''۔

مذکورہ بالا تصریحات کی رو سے قوی مؤقف یہی ہے کہ حاملہ بیوہ کی عدت بھی وضع حمل ہی ہے۔ جیسا کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ سے، سبیعہ نامی عورت کو شوہر فوت ہونے کے چند روز بعد ہی وضع حمل ہونے پر نکاح کی اجازت مل گئی تھی۔ جب عورت نکاح کر سکتی ہے تو پھر نئے شوہر کے لئے زیب وزینت بھی کر سکتی ہے۔ چونکہ شرعاً سوگ سے مراد زیب وزینت ترک کرنا ہے۔ لہٰذا حاملہ بیوہ کا سوگ بھی عدت کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔

دینِ اسلام میں تصورِ سیاست و ریاست

اسلام میں کیا صرف اہلِ مذہب ہی اقتدار کے حقدار ہیں؟
غلط فہمیوں کے ازالہ پر مبنی علمی و فکری تحریر

ڈاکٹر رفیق احمد عباسی☆

سیاست اور ریاست میں دین کا کردار ایک ایسا موضوع ہے جو دور حاضر میں بدقسمتی سے افراط و تفریط اور دو طرفہ شدت پسندی کا شکار ہے۔

۱۔ ایک طرف وہ مذہبی طبقہ ہے جس کی ذہنی پرورش اور بلوغت ایسے تنگ نظر مذہبی ماحول میں ہوئی ہے جہاں دنیوی علوم اور عصر حاضر کے مسائل شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مزید برآں مذکورہ مذہبی ماحول میں تدریس کا مرکزی نقطہ اسلام کم اور اپنے مسلک کی حقانیت اور دوسرے مسلک کی گمراہی و ضلالت زیادہ رہتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس مذہبی طبقہ کو گزشتہ چار دہائیوں سے عالمی طاقتوں اور ملکی اداروں نے بالترتیب اپنی عالمی سرد جنگ اور سٹریٹیجک مقاصد کے لیے استعمال کیا۔

دنیا کے مختلف علاقوں میں سیاسی طور پر غلامی و محکومی اور جبر و تشدد کا نشانہ بننے والی مسلمان قوموں کے مسائل سے عالمی طاقتوں کی چشم پوشی اور بعض جگہوں پر جبر و تشدد کی حمایت و پشت پناہی، مسلم حکمرانوں کی منافقانہ و بزدلانہ پالیسیوں، کرپشن، اقربا پروری اور اُمت مسلمہ کے مسائل کے حل میں عدم دلچسپی نے اس مذہبی طبقے میں ردِعمل کے طور پر یہ احساس پیدا کیا کہ اسلام پسندوں اور حق پرستوں کے اقتدار میں آئے بغیر یہ مسائل حل نہیں ہوسکتے۔ اس پس منظر میں ان کے ہاں اقتدار صرف 'اہل حق' کا حق ہے اور 'اہل حق' اُن کے علاوہ کوئی نہیں۔ اس فکر کو دراصل theocracy یا پاپائیت کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ دوسری طرف وہ جدت پسند طبقہ فکر ہے جس کی نظر میں اہل مذہب کی تنگ نظری، کردار کی عدم پختگی، ان کے ہاں مسائل جدیدہ سے عدم آگہی اور اکیسویں صدی کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کی عدم صلاحیت واضح تھی۔ اس طبقہ نے مغرب میں مذہب کو ریاست و سیاست سے الگ کرنے کے انقلابی نتائج و ترقی کا واضح مشاہدہ یا مطالعہ کیا تھا۔ لہذا وہ اس بات کا داعی بن گیا کہ اسلام یا اہل مذہب کا ریاست و سیاست سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ مذہب صرف فرد کے پروردگار سے تعلق سے عبارت ہے۔ اس دائرہ سے باہر مذہب کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔

ان دو انتہائی افکار کے درمیان عامۃ الناس کی اکثریت ہے جو confused ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح دونوں انتہاؤں میں سے کسی ایک طرف راغب نظر آتے ہیں۔

اسلام اور دیگر مذاہب میں فرق

اِلتباس و اِبہام کے اس منظر نامہ میں فکری و نظریاتی واضحیت (conceptual clarity) کے حصول

☆ صدر پاکستان عوامی تحریک

کے لیے سب سے پہلے دین اسلام کا دیگر مذاہب بالخصوص یہودیت و مسیحیت سے فرق سمجھنا ضروری ہے۔

اولاً: دونوں مذاہب کی اصل الہامی کتب اور دیگر احکامات تغیر و تبدل کے مراحل سے اتنا گزرے ہیں کہ جو احکام انبیاء کرام پر اترے یا اُنہوں نے بیان فرمائے وہ اصل حالت میں موجود نہیں۔

ثانیاً: دونوں الہامی مذاہب کے بانی نہ سربراہ ریاست بنے نہ انہوں نے کسی سیاسی ریاست کی بنیاد رکھی۔ لہٰذا اُن کے مذاہب کے ہاں سیاسی و ریاستی اَحکام و ہدایات (political orders) سرے سے دستیاب ہی نہیں۔

ثالثاً: اسلام اور دیگر دو الہامی مذاہب میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اسلام کا تصور ریاست و سیاست پاپائیت (theocracy) سے مکمل طور پر پاک ہے۔ انسانی زندگی کا مذہبی پہلو اس کے دیگر بہت سے پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ اسلام آخری الہامی دین ہے اور اسلام کا تصورِ دین 'مذہب' سے بہت مختلف اور وسیع ہے۔ اسلام کا مقصد صرف مذہبی و روحانی اقدار کا فروغ و قیام نہیں بلکہ ظلم و استحصال کی ہر شکل کے خاتمہ، فتنہ و فساد کی سرکوبی اور امن عالم کا قیام بھی ہے۔ یہ بات ہم کسی مفسر، شارح یا مفکر کی تشریحات و افکار کی بنیاد پر نہیں لکھ رہے بلکہ قرآن مجید واضح طور پر اس مقصد کی خود نشاندہی فرماتا ہے: ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ.

''وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول ﷺ) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے''۔ (التوبۃ:۳۳)

اس آیت مبارکہ میں مقصدِ بعثتِ نبوی 'دین اسلام کا سیاسی اظہار' قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ.

''اور (اے اہلِ حق!) تم ان (ظلم و طاغوت کے سرغنوں) کے ساتھ (قیامِ اَمن کے لیے) جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ (باقی) نہ رہ جائے۔ اور سب دین (یعنی نظام بندگی و زندگی) اللہ ہی کا ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ اس (عمل) کو جو وہ انجام دے رہے ہیں، خوب دیکھ رہا ہے''۔ (الانفال:۳۹)

اس آیت مبارکہ میں ریاستِ اسلامیہ کو تمام فتنوں کی سرکوبی کے لیے قیامِ امن کی بحالی تک جنگ جاری رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلام کے اسی وسیع مقصد کے تناظر میں ہی پیغمبر اسلام ﷺ نے عرب کے نظم و قانون سے آزاد معاشرے میں نہ صرف ایک کامیاب فلاحی ریاست قائم کی بلکہ اپنی زندگی میں اس کو پورے جزیرہ نمائے عرب (Arabian peninsula) تک وسیع کر دیا۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ ریاست دنیا کے نقشہ پر ایک منظّم، مضبوط، معتبر، حقوق انسانی کی محافظ، جمہوری اقدار کی مظہر، بین المذاہب رواداری اور ہم آہنگی کی امین اور مختلف برادریوں، لسانی اکائیوں اور مذہبی طبقات کے درمیان پر امن بقائے باہمی کے نمونے کے طور پر ابھری۔

مستحقِ امارت کون۔۔۔؟

اسلام اور سیرت مصطفیٰ ﷺ نے زندگی کے ہر پہلو کو develop کرنے کے لیے رہنمائی ہی نہیں دی بلکہ زندگی کے ہر گوشے و پہلو کے حوالے سے بہترین شخصی نمونے (role model) بھی پیدا کیے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ذمہ داریاں تفویض کرتے ہوئے درج ذیل

حکم قرآنی کو ملحوظ رکھا جاتا۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًام بَصِيْرًا.

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بے شک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے''۔ (النساء:۵۸)

تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو اُن کی صلاحیت، قابلیت، طبعی رجحان اور تخصص (specialization) کے بنیاد پر ہی ذمہ داریاں دی گئیں۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَ الشَّيْءُ الْاِمَارَةُ لِمَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَحَلَّهَا، وَبِئْسَ الشَّيْءُ الْاِمَارَةُ لِمَنْ اَخَذَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا فَتَكُوْنُ عَلَيْهِ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ

'حکومت اچھی شے ہے مگر اس کے لیے جس نے اپنے حق (یعنی صلاحیت و قابلیت اور نفع بخشی و فیض رسانی) کی بناء پر اسے حاصل کیا اور پھر اس کا حق ادا کیا، اور حکومت اس کے لیے بری شے ہے جس نے حق دار نہ ہونے (یعنی شہرت و خود نمائی اور حرص و لالچ ہونے) کے باوجود اسے حاصل کیا، اس کے لیے حکومت روزِ قیامت باعث حسرت ہوگی' (طبرانی، المعجم الکبیر، ۵:۱۲۷)

اسلام میں سرکاری عہدہ (public office) تفویض کرنے سے قبل مطلوبہ شرائط و اہلیت کا کس حد تک التزام کیا جاتا ہے، اس کا اندازہ حضرت ابو ذر غفاری ؓ جیسے زہد و ورع کے پیکر، تقوی و طہارت کے مظہر اور اسلام کی مذہبی تعلیمات کے نمونہ احسن سے مروی اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے خود بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا:

اَلَا تَسْتَعْمِلُنِي قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلٰى مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّكَ ضَعِيفٌ وَاِنَّهَا اَمَانَةُ وَاِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَاَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا.

'یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے عامل نہیں بنائیں گے؟' اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری ؓ کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: 'اے ابوذر! تم کمزور ہو! اور یہ امارت امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگی، البتہ جو امارت کے حقوق ادا کرے اور اس کی ذمہ داریاں پوری کرے (وہ مستثنیٰ ہو گا)' (صحیح مسلم، ۳:۱۴۵۷، رقم:۱۸۲۵)

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ جواب اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلام کے تصورِ سیاست میں محض عبادت و ریاضت اور زہد و ورع اِستحقاقِ اَمارت اور حصولِ سلطنت و اقتدار کی دلیل نہیں بلکہ اس کے لیے مطلوبہ تقاضے پورے کرنا ہوں گے۔

اس فرمانِ رسول ﷺ سے یہ امر بھی متحقق ہوتا ہے کہ اسلام کے مذہبی و روحانی پہلو میں خصوصی تجربہ و مہارت رکھنے والے صحابہ کرام ؓ نے عملاً سیاسی و انتظامی اُمور میں مداخلت کے بجائے اپنے اختصاص (speciality) کی مناسبت سے ساری توجہ مذہبی و روحانی اُمور پر ہی رکھی۔ ان میں علم تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ۔۔۔ علم حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ۔۔۔ علم فقہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ۔۔۔ شعر و سخن میں حضرت حسان بن ثابتؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام ؓ کے نام قابل ذکر ہیں۔

یہ اور ان جیسے دیگر بے شمار صحابہ کرام ؓ کا اپنے مذہبی میدان میں اعلیٰ ترین مقام ہونے کے باوجود دورِ

رسالت یا دورِ خلفائے راشدین میں کوئی سیاسی یا ریاستی ذمہ داری نہ لینا اس نظریہ و فلسفہ کی ناقابل تردید شہادت ہے کہ اسلامی تصورِ سیاست، پاپائیت سے بالکل پاک ہے اور موجودہ دور کے مذہبی طبقہ کا یہ خیال کہ اقتدار میں صرف اہل مذہب ہی آسکتے ہیں اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں۔

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اب تک کی بحث سے یہ امر واضح کرنا مقصود تھا کہ دین اسلام کا مذہبی پہلو، ریاستی و سیاسی معاملات سے آزاد ایک الگ subject ہے۔ اہل مذہب کی اُمورِ سیاست میں شرکت پر نہ پابندی ہے اور نہ ہی یہ لازمی ہے۔ چودہ سو سالہ تاریخ اسلام سے واضح ہوتا ہے کہ کبار اَئمہ و اَسلاف نے عموماً سیاسی و ریاستی معاملات سے الگ تھلگ رہ کر ہی مذہب کی خدمت کی اور اہل مذہب کے لیے یہی اسوہ بہترین راستہ ہے، لیکن اس کا یہ معنی لے لینا کہ دین اسلام ریاستی و سیاسی معاملات میں کوئی رہنمائی نہیں دیتا یا ریاست و سیاست کے باب میں اسلام کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں، یہ دوسری انتہا اور اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے باقاعدہ ریاست قائم کر کے اور خلفاء راشدین نے اس ریاست کے استحکام و توسیع کے ذریعے اسلام کے ریاستی و سیاسی احکام بڑی صراحت کے ساتھ واضح کیے ہیں۔ اسلام کے سیاسی و ریاستی احکام ہی اسلام کو دین بناتے ہیں اور اسے دیگر مذاہب سے ممتاز کرتے ہیں۔ ان کو دین اسلام سے الگ کرنا یا ریاست و سیاست کو دین سے کلیتًا آزاد کردینا دین اسلام کے حقیقی تصور میں تحویل کے مترادف ہے۔ دین و سیاست کا دو الگ الگ خانوں میں بٹوارہ کرنے والے اِسی مکتبِ فکر کا رد حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا تھا:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام کا تصورِ قومیت

اسلام کے سیاسی و ریاستی احکام و ہدایات کے حوالے سے اہم مسئلہ 'تصورِ قومیت' ہے۔ یہ تصور بھی علمی زوال و انحطاط کے دور میں التباس کا شکار ہے۔ اسلام یقیناً ریاستی و سیاسی امور میں دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو برابر شہری کی حیثیت دیتا ہے بلکہ میثاق مدینہ میں حضور اکرم ﷺ نے یہود و نصاری اور مسلمانوں کے لیے ریاستِ مدینہ کے تناظر میں 'ملة واحده' یعنی ایک قوم کا عنوان دیا۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی خاص جغرافیائی اکائی کے لوگ مل کر اسلامی اصولوں کے مطابق ریاستی نظم و نسق قائم کر کے کسی عمرانی و آئینی دستاویز پر متفق ہوجائیں تو اس ریاست کے تمام شہری بلا تفریق مذہب و نسل ایک قوم تشکیل دیتے ہیں۔ لیکن اس جغرافیائی یا ریاستی قومیت کے جواز کا یہ معنی نہیں کہ پوری دنیا میں رہنے والے مسلمان ایک قوم نہیں ہیں۔ مسلم قومیت کا مکمل انکار قرآن و حدیث کے واضح احکامات سے صرف نظر کرنا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے 'اُمّة واحده' اور 'خیر اُمة' کے الفاظ کے ذریعے مسلمانوں کو ایک ملت وقوم قرار دیا ہے جو آپس میں انّما المومنون إخوة کے تحت رشتہ مواخات میں جڑے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کا دیگر ادیان کے ماننے والوں کے مقابلے میں الگ قوم ہونا اس بات کا متقاضی نہیں کہ اس قومیت کی دنیا میں ایک ہی سلطنت، ریاست یا خلافت یا امامت ہو۔ خلافتِ راشدہ کے دور آخر میں ہی اسلامی دنیا میں عملاً دو الگ الگ حکومتیں قائم ہوگئی تھی۔ بعد ازاں دنیا کے مختلف علاقوں میں الگ الگ امیر، خلیفہ و سلطان موجود رہے جس کی مخالفت یا رد کسی امام یا دینی رہنما نے نہیں کیا۔ لہٰذا انتہا پسند مذہبی طبقات کے ہاں پوری دنیا میں

ایک ہی خلافت اسلامیہ کے قیام کے تصور کا کوئی دینی، مذہبی و تاریخی جواز و استدلال موجود نہیں۔

اسلام میں تصورِ سیاست و ریاست

اسلام کا تصور سیاست اس امر کا متقاضی ہے کہ

☆ طبقاتِ معاشرہ اور مختلف مذہبی اکائیاں مل کر ایک آئینی ریاست تشکیل دیں۔ یعنی تشکیلِ ریاست اور تدوینِ آئین بنیادی اسلامی احکامات و تصورات میں سے ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حضور اکرم ﷺ کا ریاست مدینہ کی تشکیل اور میثاق مدینہ (Pact of Madina) کی صورت میں ایک آئینی دستاویز کی تیاری ایک قوی ترین اور نا قابل تردید دلیل اور حجت ہے۔

☆ اسلام نے ریاست کے سربراہ کے تقرر کے لیے اُس ریاست کے شہریوں کی اتفاق رائے یا کثرت رائے کا اصول مقرر کیا ہے۔

☆ امورِ ریاست آمریت یا شخصی حکومت کے بجائے مشاورت سے چلانے کا ضابطہ مقرر کیا ہے جیسا کہ 'وامرھم شوریٰ بینھم' کا قرآنی حکم اس باب میں واضح ہے۔

☆ اسلام نے حکمرانوں اور اہل شوریٰ (ممبران پارلیمنٹ) کے لیے عدل، صدق، امانت، دیانت، علمی و ذہنی قابلیت اور جسمانی صحت کے معیارات مقرر کیے ہیں۔

☆ طرزِ حکومت اور نظامِ انتخابات کو اسلام نے اجتہادی امور کے طور پر open چھوڑ دیا تاکہ ہر دور کے تقاضوں اور معاشرے کے رجحانات و میلانات اور معاشرتی صورت کے مطابق اس کی شکل بنائی جاسکے۔

☆ اسی طرح اسلامی نظام میں حکمران کو اقتدار سے الگ کرنے کا اصل اختیار بھی عوام اور شہریوں کو دیا گیا جس کی بنیاد حضرت صدیق اکبرؓ کا مسند خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد پہلے خطبے کے یہ الفاظ ہیں:

'اے لوگو مجھے تم پر حکمران مقرر کر دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھائی کی راہ پر چلوں تو میری مدد کرنا اور اگر برائی کی راہ پر چلوں تو مجھے پکڑ کر سیدھا کر دینا۔ تم میری اس وقت تک اطاعت کرتے رہنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہوجاؤں تو تم پر میرے فرمان کی اطاعت قطعاً واجب نہیں۔' (ابن کثیر، البدایہ والنھایۃ، ۶:۳۰۱)

☆ اسلام میں ریاست کے پارلیمان/مجلس شوریٰ کو آئین سازی و قانون سازی کا مکمل اختیار ہے مگر وہ اِسلام کے بنیادی اصولوں وتصورات سے ہم آہنگ قانون و آئین سازی ہی کرسکتی ہیں یہ اختیار مطلق نہیں بلکہ مشروط ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کے حکومت کے قیام اور اس کے آئینی قوانین کے حوالے سے دین اسلام کی طرف سے کوئی واضح رہنمائی نہیں یا اس بارے میں مسلمانوں کے کوئی فرائض و واجبات نہیں، یہ درست مؤقف نہیں۔

بنیادی سیاسی و ریاستی قوانین

اسلام کے نظام سیاست و ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے معاشی انصاف، انسانی مساوات، نظام عدل، انسانی حقوق، عوام کی شراکت اقتدار اہم ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اَربابِ اقتدار کی بنیادی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. (الحج:۴۱)

''(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے''۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اقامت صلوٰۃ سے مراد محض نمازِ پنج گانہ کی پابندی کروانا ہی نہیں ہے بلکہ معاشرے میں اسلام کی اعلیٰ اخلاقی و روحانی اقدار کے فروغ کے ضروری اقدامات کرنا بھی ہے۔ نظام زکوٰۃ سے مراد معاشرے سے معاشی تفاوت کا خاتمہ، ارتکاز زر کی روک تھام اور معاشرے کے محروم طبقات کو جملہ بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت شامل ہے۔ امر بالمعروف (Promotion of good) سے مراد معاشرے میں ان تمام قوانین کی تشکیل اور اُن کی پابندی کروانا جن کی مذکورہ بالا بنیادی اصولوں کے قیام کے لیے ضرورت ہو جبکہ نہی عن المنکر (Prohibition of Crime) سے مراد ہر اس برائی کی روک تھام ہے جو انسانی نظام حیات کے لیے مضر اور نقصان دہ ہو۔

لہٰذا اسلام کا یہ تقاضا ہے کہ افراد معاشرہ مل کر ریاست قائم کریں۔ اس کا آئین و دستور اسلامی اصولوں کی بنیاد پر تشکیل دیا جائے۔ ریاست اپنے بنیادی فرائض ادا کرنے کے لیے جمہوری انداز میں حکمران منتخب کرے۔ حکومتی امور مشاورت کے بنیاد پر طے کیے جائیں اور حکومتی عہدیداران بنیادی ذمہ داریاں ادا کریں۔

نظامِ قضا

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام ایک ریاست کے مختلف اداروں کے لیے قوانین اور بنیادی اصول بھی بیان کرتا ہے۔ انہیں اصولوں کی روشنی میں اسلام ریاست کے لیے نظامِ قضا (judicial system) کا قیام چاہتا ہے جو حکومتی اثر و رسوخ سے بالکل آزاد، شہریوں کو عدل و انصاف کی فراہمی اور صرف قانون کی حکمرانی کو یقینی بنانے کی ذمہ دار ہو۔ نظام قانون اُس الوہی ہدایت کی روشنی میں تشکیل دیا جانا لازمی ہے جن کو قرآن، حضور اکرم ﷺ کی سنت و سیرت اور خلفاء راشدین نے قائم کیا۔ البتہ ان کا ڈھانچہ و تفاصیل ہر دور میں وقت اور معاشرے کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے اہل شوریٰ (پارلیمنٹ) کی ذمہ داری لگائی گئی ہے۔

نظامِ تعزیرات

اسلام کے نظام قانون کا ایک حصہ نظامِ تعزیرات (Islamic Penal System) ہے۔ نظام تعزیرات کے حوالے سے بھی ہم افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ایک سوچ اسلامی تعزیرات کے نظام کو دقیانوسی اور چودہ سو سال پرانا قرار دے کر آج کے دور میں ناقابل عمل قرار دیتی ہے تو دوسری سوچ نظامِ تعزیرات کے قیام کے ذریعے معاشرے میں اخلاقی اقدار اور قانون کی حکمرانی چاہتی ہے۔ پہلی سوچ تو ہے ہی اِسلام سے متصادم جبکہ دوسری فکر اسلامی مصالح اور شرعی مقاصد سے ہم آہنگ نہیں۔

اسلام ریاست کو اولاً معاشرتی و معاشی انصاف کے قیام، ظلم وستم اور جبر و استحصال کے خاتمے اور اخلاقی اقدار کا قیام کا پابند کرتا ہے اور جب معاشرے میں اخلاقی و قانونی اقدار قائم ہوجائیں تو اُن کے تحفظ کے لیے تعزیرات کا نظام دیتا ہے۔ تعزیرات کے ذریعے اقدار سے محروم معاشرے میں کبھی اقدار قائم نہیں ہوسکتیں۔ ریاست مدینہ میں بے شمار احکامات کا نفاذ بتدریج (gradually) ہوا اور آج کے رو بہ تنزل حالات میں ایک ریاست اسلام کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کا قیام بھی بتدریج ہی کرسکتی ہے نہ کہ صرف نفاذِ شریعت کے نام پر تعزیرات کے نفاذ سے۔

سیاسی جدوجہد

اسلام ریاست کے باسیوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کا انتخاب کریں اور اس کے لیے نظام انتخابات کا شفاف، مساوات اور برابر مواقع پر مشتمل ہونا

ضروری ہے۔ نیز اہل اقتدار مطلوبہ معیار کے مطابق ہوں۔ اگر ریاست کا نظام ایسا نہیں تو نظام کی اصلاح کے لیے پر امن غیر مسلح جدوجہد بھی افرادِ معاشرے کے فرائض میں سے ہے۔ ریاست کی جغرافیائی حدود کے تحفظ اور کسی بھی جارحیت کے خلاف اسلام جہاد بالقتال یعنی جنگ کی اجازت بھی صرف اسلامی ریاست کو دیتا ہے اور اس کے لیے کڑی شرائط قائم کرتا ہے تاکہ کوئی ریاست اپنے سے بہت بڑی طاقت اور مضبوط دشمن سے جنگ کر کے اپنے ہی شہریوں کے جان و مال کو تباہ کرنے کا باعث نہ بن جائے۔ حیات طیبہ، دور خلفاء راشدین اور اس کے بعد کے جملہ ادوار میں جہاد بالقتال یا اعلان جنگ صرف ریاست کا اختیار تسلیم کیا گیا ہے۔ انفرادی جتھوں، گروہوں نے جب بھی قتال کا نعرہ بلند کیا تو اُن کو خوارج کے قبیل میں شامل کیا گیا۔

مزید برآں کسی ریاست میں حکومت جائز یا ناجائز طریقے سے قائم ہوجائے تو وہ جیسی بھی ہو اُس کے خلاف مسلح بغاوت عسکری جدوجہد کی اسلامی تصورِ سیاست میں کوئی گنجائش نہیں۔ ایسا عمل کرنے والوں کو بالاجماع باغی قرار دے کر اُن کی سرکوبی کو ریاست کے لیے لازم قرار دیا گیا۔

خلاصہ کلام

اسلام کا سیاسی نظام اور ریاستی و معاشی اُصول اتنے جامع و ہمہ گیر اور نفع بخش و فیض رساں ہیں کہ اگر کوئی قوم مذہبِ اسلام قبول کیے بغیر بھی انہیں لاگو کرنا چاہے تو کوئی امر اس میں مانع نہیں ہے اور یہی دین اسلام کا اصل حسن اور صداقت ہے۔ ہمیں اس آفاقی صداقت (Universal truth) کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اِس عالمِ آب و گِل میں کامیابی و کامرانی کا انحصار علم و ہنر، جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم پر ہے، محض مذہب و روحانیت پر نہیں۔ اقبال نے اس حقیقت کو کتنے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

اگر قبول کرے دینِ مصطفیٰؐ انگریز
سیا روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

یعنی نتائج وثمرات اسلام کی آفاقی صداقتوں کو تسلیم کرنے اور علم وہنر کی بنیاد پر ملیں گے محض تغیرِ مذہب کی بنیاد پر نہیں۔

اظہار تعزیت

گذشتہ ماہ محترم خواجہ ظفر سلیم ڈار (سیالکوٹ)، محترم چوہدری نذیر احمد (سیالکوٹ) کی اہلیہ، محترم الحاج چوہدری محمد ارشد (سیالکوٹ) کے والد محترم حاجی امام دین، محترم صوبیدار محمد یونس (کوٹلہ گجرات) کی ساس، محترم ماسٹر محمد خان (کوٹلہ گجرات)، محترم چوہدری محمد لطیف لنگڑیال (کوٹلہ گجرات) کی ہمشیرہ، محترم سید بشیر احمد شاہ (کوٹلہ گجرات) کے والد، محترم عثمان اشرف صبور (کوٹلہ گجرات) کے والد، محترم راجہ محمد فیاض (کوٹلہ گجرات) کا بھتیجا، محترم راجہ ذوالفقار ایڈووکیٹ (کوٹلہ گجرات) کے والد، محترمہ شگفتہ بی بی (کوٹلہ گجرات)، محترم ماسٹر محمد یونس لنگڑیال (کوٹلہ گجرات) کی والدہ، محترم احسان محبوب (کوٹلہ گجرات) کی والدہ، محترم محمد حنیف لودھی (کوٹلہ گجرات) کے بڑے بھائی اور محترم محمد علی رضا قادری (ڈنمارک) کے والد لیاقت علی قادری قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش ومغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

شخصیت پرستی کی حقیقت

حضور نبی اکرم ﷺ، اولیاء، صلحاء اور دینی شخصیات سے محبت وعقیدت کو ''شخصیت پرستی'' کا نام دینے والوں کی خدمت میں چند گزارشات

ڈاکٹر نعیم مشتاق☆

اِنسانی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے کہ جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کی خدمت کی توفیق حاصل ہو جائے تو اس کی شخصیت اور کردار سے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایسا پیار ومحبت اور عقیدت و اِحترام شخصیت پرستی کے زُمرے میں نہیں آتا۔ بلکہ ایسے انسان سے عقیدت ومحبت درحقیقت اللہ اور اس کے نبی ﷺ سے ہی محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اُنہی کے پیغام ہی کی برکت ہے کہ جس نے ایک عاجز اِنسان کو اِس قابل بنا ڈالا کہ دنیا کے لاکھوں لوگ اس سے محبت وعقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ جماعتی وتحریکی محبتوں اور اِن جذبوں کے پیچھے درحقیقت اِسلام سے محبت ہی چھپی ہے۔

یہ سُنتِ نبوی پر عمل کی برکت ہوتی ہے کہ لوگ ایک عاجز کو قابلِ احترام سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اُس کے چہرے کو دیکھ کر اللہ اِس لیے یاد آتا ہے کیونکہ اُس کے چہرے کی نورانیت کے پیچھے نورِ محمدی ہی کا فیض موجود ہوتا ہے۔ حضرت عمرو بن جموح ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَحِبَّائِي وَأَوْلِيائِي الَّذِينَ يُذْكَرُوْنَ بِذِكْرِي، وَأُذْكَرُ بِذِكْرِهِمْ.

(أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۳۰، رقم: ۱۵۵۸۸)

''بے شک میرے احباب اور اولیاء وہ لوگ ہیں کہ میرا ذکر کرنے سے وہ یاد آجاتے ہیں اور ان کا ذکر کرنے سے میں یاد آجاتا ہوں (یعنی میرا ذکر ان کی یاد دلاتا ہے اور ان کا ذکر میری یاد دلاتا ہے)''۔

اِسی مضمون کو 'مسند اَحمد' اور 'سنن ابن ماجۃ' میں یوں روایت کیا گیا ہے:

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ ؓ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟ قَالُوْا: بَلٰى، يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَالَ: خِيَارُكُمُ الَّذِينَ إِذَا رُؤُوْا، ذُكِرَ اللهُ ﷻ.

(ابن ماجه، السنن، كتاب الزهد، باب من لا يؤبه له، ۲: ۱۳۷۹، رقم: ۴۱۱۹)

''حضرت اَسماء بنت یزید ؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تمہیں تم میں سے بہترین لوگوں کے بارے میں خبر نہ دوں؟ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے''۔

دین اسلام کے نام پر ساری محبتیں بارگاہ

☆محترم ڈاکٹر نعیم مشتاق کی نئی تصنیف ''انتہاء پسندی اور دہشت گردی کے خاتمہ میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا کردار'' سے ماخوذ

nmushtaq786@gmail.com

نبوی ﷺ تک جا پہنچتی ہیں، ہر محبت کے پیچھے محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ چھپی بیٹھی ہے۔ اِسی لیے مولانا جلال الدین رومی نے کیا خوب فرمایا:

گفت طوبٰی مَن رآنی مصطفیٰ
والذی یبصر لِمَن وَجهی رَای

''مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: خوش خبری ہے اس کے لئے جس نے مجھے دیکھا۔ اور جو اُس کو دیکھے جس نے میرا چہرہ دیکھا''۔

چون چراغی نورِ شمعی را کشید
هر که دیدآن را یقین آں شمع دید

''جب چراغ نے شمع کی روشنی حاصل کر لی، جس نے اُسے دیکھا یقیناً اُس نے شمع کو دیکھا''۔

هم چنیں تا صد چراغ ار نقل شُد
دیدنِ آخر لقای اصل شُد

''اِسی طرح اگر وہ سو چراغوں میں منتقل ہوئی تو آخری کا دیکھنا بھی اصل کی ملاقات تھی''۔

خواه از نور پسین بُستان تو آں
هیچ فرقی نیست خواه از شمع دان

''خواہ آخری روشنی سے تو وہ لے، کوئی فرق نہیں خواہ شمع سے سمجھ لے''۔

خواه نور از اوّلیں بستاں بجاں
خواه از نور لسپیں فرقے مداں

''خواہ پہلے والے سے تُو دل و جان سے روشنی لے، خواہ آخری روشنی سے کوئی فرق نہ سمجھ''۔

خواه بیں نور از چراغِ آخریں
خواه بین نورش ز شمعِ غابرین

''خواہ روشنی آخری چراغ کی دیکھے، خواہ اُس کی روشنی گزرے ہوؤں کی سمجھ''۔

(مثنوی، دفتر اول، ۱۹۴۶-۱۹۵۰)

دینی شخصیات سے حد درجہ عقیدت کیوں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اپنی اپنی پسندیدہ دینی شخصیات کے ساتھ جنوں کی حد تک عقیدت اور محبت کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں؟ آیئے! قرآن وسنت کی روشنی میں اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم، ۱۹:۹۶)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو (خدائے) رحمٰن ان کے لیے (لوگوں کے) دلوں میں محبت پیدا فرما دے گا''۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''نیک عمل کرنے والے ایمان داروں سے خدا تعالیٰ خود محبت کرتا ہے اور زمین پر بھی ان کی محبت اور مقبولیت اتاری جاتی ہے۔ مومن ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ ان کا ذکرِ خیر ہوتا ہے اور ان کی موت کے بعد بھی ان کی بہترین شہرت باقی رہتی ہے۔ ہرم بن حیان کہتے ہیں کہ جو بندہ سچے اور مخلص دل سے اللہ کی طرف جھکتا ہے، اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کو اس کی طرف جھکا دیتا ہے۔ وہ اس سے محبت اور پیار کرنے لگتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان ؓ کا فرمان ہے بندہ جو بھلائی و برائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اُڑا دیتا ہے''۔

(ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج: ۳، ص: ۳۵)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی حدیث قدسی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ عادلی لِي وَلِيًّا، فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي، يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ

الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي، لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵:۲۳۸۴، رقم:۶۱۳۷)

''جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ ایسی کسی چیز کے ذریعے میرا قرب نہیں پاتا جو مجھے فرائض سے زیادہ محبوب ہو اور میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔ میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس میں کبھی اس طرح متردد نہیں ہوتا جیسے بندۂ مومن کی جان لینے میں ہوتا ہوں۔ اسے موت پسند نہیں اور مجھے اس کی تکلیف پسند نہیں''۔

جب یہ شخص قربتِ الٰہی کے اس مقام پر پہنچتا ہے تو پھر نہ صرف وہ محبوبِ الٰہی بن جاتا ہے بلکہ اللہ کی مخلوق بھی اُس سے محبت کرنے لگتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ اللهُ الْعَبْدَ نَادَى جِبْرِيلَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا، فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا، فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ۳:۱۱۷۵، رقم:۳۰۳۷)

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ تو جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آسمانی مخلوق میں ندا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر زمین والوں (کے دلوں) میں (بھی) اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کی مخلوق کے محبوب سے اِظہارِ محبت کو شخصیت پرستی کا عنوان دے کر محبت کے پاکیزہ جذبے کو بدنام کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو یہ سوچ بذاتِ خود غلط ہے اس لئے کہ اس کی نہ تو کوئی عقلی اور نہ ہی کوئی شرعی توجیہ پیش کی جا سکتی ہے۔

عقیدۂ اَہلِ سنت اور شخصیات سے محبت

عقیدہ اہل سنت و جماعت میں شخصیات پر مدار کیوں کیا جاتا ہے؟ اس سوال کے جواب سے پہلے آیئے یہ جانتے ہیں کہ اَہلِ سنت و جماعت سے کیا مراد ہے؟

یاد رہے کہ 'سنت' سے مراد درحقیقت قرآن اور حدیث نبوی پر مبنی اصول و قوانین ہیں، جبکہ 'جماعت' کا لفظ اکثریتی طبقہ اور جمہور اُمت پر بولا جاتا ہے۔ اَہلِ سنت سے مُراد حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور آثارِ صحابہ پر عمل پیرا ہونے والے لوگ ہیں، دوسرے لفظوں میں اِس طبقہ کا اِطلاق اُن اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات، اعمال اور مسائل کا محور رسول اللہ ﷺ کی سنتِ صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں۔ 'اَھل السنۃ والجماعۃ' کی اِصطلاح تیسری صدی ہجری میں اِمام ابوالحسن اَشعری کی تحریک کے بعد عام ہوگئی۔ اُس دور میں جمہور اُمت، جماعت اور اَھل السنہ کی جگہ اَھل السنۃ والجماعۃ کی اِصطلاح زیادہ مروج ہوئی۔

اَہلِ سنت و جماعت وہ لوگ ہیں جن کے ہاں

اُصول اور قوانین کو شخصیات کے ذریعہ سے اور شخصیات کو قوانین و اُصول کے ذریعہ سے سمجھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ نہ تو تنہا قوانین کو شخصیات سے علیحدہ کر کے محض اپنی عقل کے مطابق اُن کی تشریح کی جاتی ہے اور نہ ہی شخصیات کو اُصول و قوانین سے بالاتر سمجھ کر اُن ہی کے ذاتی اَعمال اور کیفیات کو قانون و اُصول کا درجہ دیا جاتا ہے۔

اِس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کو صرف قرآن ہی نہیں دیا بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی صورت میں مجسم و مشخص ذاتِ عالی بھی عطا فرمائی ہے جنہوں نے قرآن کو سُنایا، سمجھایا اور اِس کا عملی نمونہ پیش کیا ہے اور پھر اِس پر عمل کرنے اور ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے ذہنوں اور دلوں کو صاف کیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ اگر تم مجھ سے محبت چاہتے ہو تو میرے محبوب ﷺ کی پیروی کرو:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○

''(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے''۔ (آلِ عمران، ۳:۳۱)

بات عقیدہ کی ہو یا عمل کی، جب تک اُس کی تصدیق بارگاہِ نبوی ﷺ سے نہیں ہوگی وہ شریعتِ اِسلامیہ کا حصہ نہیں بنے گا، مثلاً وحدتِ اِلٰہی جب تک زبانِ نبوی ﷺ سے بیان نہیں ہوگی وہ توحید الٰہی میں نہیں بدلے گی۔ وحدتِ اِلٰہی تو دوسرے اَدیان کے پیروکار بھی مانتے ہیں، توحید تب بنے گی جب اُس کا ماننا صرف بارگاہِ نبوی ﷺ کے ذریعے ہوگا۔ اللہ کو ایک تو سب مانتے ہیں مگر جاننا صرف بارگاہِ مصطفوی ﷺ سے ہی ممکن ہے۔ سارے کا سارا اِسلام ذاتِ نبوی ﷺ سے منسلک ہے۔ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہی حقیقی اِسلام ہے۔ اِسلام اور کفر میں اَصل فرق ذاتِ محمدی ہی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عصیٰ مُحَمَّدًا فَقَدْ عصیَ اللّٰهَ، وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، ۶:۲۶۵۵، رقم:۶۸۵۲)

''جس نے محمد کی فرماں برداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی، اور جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور محمد لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز کرنے والے ہیں''۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''**فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا** سے مراد ہے کہ حضرت محمد ﷺ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کو بلاتے ہیں اس لئے جو شخص حضرت محمد ﷺ کی فرماں برداری کرتا ہے **فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ** تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتا ہے۔ **وَمَنْ عصیٰ مُحَمَّدًا فَقَدْ عصیَ اللّٰهَ** اور جو انسان حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے تو بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ **وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ** اور حضرت محمد ﷺ کافر و مومن اور نافرمان و فرمانبردار لوگوں کے درمیان فرق و تمیز کرنے والے ہیں کہ جس نے آپ ﷺ کی تصدیق کی صاحب ایمان ہو گیا اور جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی، وہ کافر ہو گیا''۔

(عبد الحق محدث دہلوی، اشعة اللمعات، ۱:۴۲۶)

نامِ احمد ﷺ چوں چنیں یاری کند

حضرت مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ پہلے انبیاء کی اُمتوں کو عزت و اکرام اور اُن کی نسلوں کو بعثتِ نبوی ﷺ کے بعد اسلام قبول کرنے کی توفیق صرف ادب و تعظیم نبوی کی وجہ سے ہوئی۔ پس جب 'احمد' نام مضبوط قلعہ بنا تو آپ ﷺ کی ذاتِ اَقدس کس اَعلیٰ

درجہ کی ہوگی؟ مزید فرماتے ہیں:

بود در انجیل نامِ مصطفیٰ
مصطفیٰ ﷺ کا نام انجیل میں تھا

آن سَرِ پیغمبراں بحرِ صَفا
جو پیغمبروں کے سردار اور صفا کے سمندر ہیں

بود ذکرِ حُلیه ها وشکلِ اُو
اُن کے حلیہ اور شکل کا ذکر تھا

بود ذکرِ غزو وصوم واکل اُو
اُن کے جہاد اور روزے اور کھانے کا ذکر تھا

طائفه نصرانیاں بہرِ ثواب
مسیحیوں کی ایک جماعت ثواب کے لئے

چوں رسید ندے بداں نام وخطاب
جب اُس نام اور خطاب پر پہنچتے

بوسه دادندے برآں نامِ شریف
اُس متبرک نام کو بوسہ دیتے

رُونہا دندے بداں وصفِ لطیف
اُس پاک تعریف پر منُہ رکھ دیتے

اندریں قصّه که گفتم آں گروہ
اُس قصّہ میں جس گروہ کا میں نے ذکر کیا ہے

ایمن از فتنه بُد ندواز شکوہ
وہ خوف وخطر سے بے خوف تھا

ایمن از شرِ امیران و وزیر
سرداروں اور وزیر کے شر سے مطمئن

درپناہِ نامِ اَحمد مُستجیر
اور احمد ﷺ کے نام کی پناہ میں پناہ گزیں تھا

نسل ایشاں نیز هم بسیار شُد
اُن کی نسل بھی زیادہ ہوگئی

نورِ احمد ناصر آمد یارُشد
اور احمد ﷺ کا نور ساتھی اور مددگار بن گیا

واں گروہِ دیگر از نصرانیاں
لیکن مسیحیوں کا دوسرا گروہ

نامِ احمد داشتندے مُستہاں
احمد ﷺ کے نام کی بے حرمتی کرتا تھا

مُستہان و خوار گشتنداز فِتن
وہ فتنوں کی وجہ سے ذلیل وخوار ہو گئے

از وزیرِ شوم رائے شوم فن
بد رائے اور بدکار وزیر کے

مُستہان و خوار گشتند آں فریق
وہ فریق ذلیل اور خوار ہو گیا

گشته محروم از خود وشرطِ طریق
اپنے سے بھی محروم ہوا اور مذہب کے آداب سے بھی

هم مُخبّطَ دین شاں و حُکِم شاں
اُن کا مذہب اور اُن کا قانون بھی تہ وبالا ہو گیا

ازپئے طومار هائے کثربیاں
کج بیان دفتروں کی وجہ سے

نامِ احمدؐ چوں چنیں یاری کند
احمد ﷺ کا نام جب اس طرح مدد کرتا ہے

تا که نورش چوں مدد گاری کند
تو اُن کا نور کس قدر مدد کرسکتا ہے؟

نامِ احمدؐ چوں حِصارے شد حَصیں
احمد ﷺ کا نام جب مضبوط قلعہ بنا

تاچه باشدِ ذاتِ آں روحُ الَامیں
تو اُس روح الامین کی ذات کس درجہ کی ہوگی؟

(مثنوی مولاے روم، دفتر اول، ص: ۱۰۲-۱۰۳)

آپ ﷺ نے اپنی ذات کے ہر پہلو کے فیض کو اُمت میں بذریعہ صالح شخصیات تاقیامت جاری رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے ایسی فقیہ و مجتہد اور عملی و روحانی شخصیات بھی اُمت کو عطا فرمائی ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دور میں حضور نبی اکرم ﷺ کے طریق پر دین سکھایا، سمجھایا اور عمل کرکے دکھلایا ہے اور اسی طرح انسانی ذہنوں کو اپنی تربیت کے

ذریعے ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے بیدار اور تیار کیا ہے۔

اِسی لیے اَہلِ سنت و جماعت کے ہاں دین اور دینی تربیت کے لیے تنہا کتاب یا تنہا شخصیت ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ قانون کے ساتھ قانون سکھانے والے اور قانون پر عمل کر کے دکھلانے والے کی موجودگی بھی ناگزیر اور اشد ضروری ہوتی ہے تاکہ صرف قانون ہی علم میں نہ آئے بلکہ اِس قانون کا حقیقی رنگ دلوں پر چڑھ جائے اور اِس کی حقیقی و معنوی یعنی روحانی کیفیات بھی دلوں میں جذب ہو جائیں۔ یہ حالت شخصیات سے تعلق کے بعد ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَہلِ سنت و جماعت کے مسلک میں یہ دو چیزیں یعنی ''شخصیات'' اور ''قوانینِ شریعتِ محمدی'' بنیادی رکن یا ستون کا درجہ رکھتی ہیں۔ اِن شخصیات سے محبت عین محبتِ اسلام ہے اور تعلیماتِ اسلام کے مطابق ہے۔

شخصیت پرستی سے کیا مراد ہے؟

آیئے اب سمجھیں کہ شخصیت پرستی سے کیا مراد ہے؟ شخصیت پرستی بنیادی طور پر ایک منفی رویہ ہے جس میں حق و اِنصاف اور عقل و فکر کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر کسی مذہبی و سیاسی لیڈر سے اس قدر محبت و عقیدت پیدا کی جاتی ہے کہ اس کے قول و عمل کو رفقاء اور پیروکاروں میں نفسیاتی سطح پر عقیدہ کا درجہ مل جاتا ہے۔ کہنے کو تو بات سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کی ہو رہی ہوتی ہے مگر ہمارے ہاں اگر کوئی مذہبی و سیاسی رہنما سے علمی یا انتظامی نوعیت کا بھی اختلاف کرنے کی کوشش کرے تو اسے دین و مذہب اور جماعت و تحریک سے غیر مخلص اور منافق سمجھا جاتا ہے۔ پس ایسے رہنماؤں کے پیچھے لگ جانا جو خدا اور رسول ﷺ کے مطیعِ فرمان نہ ہوں اور اپنے مذہبی پیشواؤں اور سیاسی قائدین کے اَعمال کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھے بغیر ان کی اطاعت کرتے رہنا، شخصیت پرستی ہی ہے۔

اس کی مثال ہمیں حضرت مجدد الف ثانی کی اُس نصیحت میں ملتی ہے کہ آپ سے کسی سائل نے عرض کیا: حضرت! کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:

''بیٹے! دو نصیحتیں ہیں۔ زندگی میں نہ کبھی خدا بننے کی کوشش کرنا اور نہ کبھی مصطفیٰ ﷺ بننے کی''۔ وہ بڑی حیرانی سے عرض کرنے لگا: 'حضرت! اللہ معاف فرمائے، کوئی مسلمان بھلا ایسا بھی کرسکتا ہے؟ اس کا کیا مطلب ہے؟' آپ نے فرمایا:

اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ لہٰذا کبھی یہ گمان اپنے بارے میں نہ کرنا کہ میں جو چاہوں گا وہ اسی طرح ہو جائے گا۔ کبھی کوئی کام تمہارے چاہنے کے موافق ہوگا اور کبھی خلاف۔ اگر کام تیری منشاء کے خلاف ہو جائے، تو غصے اور جلال میں آجائے کہ ایسا کیوں ہوگیا؛ تو یہ تجھے زیبا نہیں دیتا کیونکہ یہ اللہ کی شان ہے کہ اس کی منشاء کے مطابق ہر چیز وقوع پذیر ہوتی ہے۔ تو بندہ ہے اور بندے کا یہ منصب نہیں کہ وہ جو چاہے وہی ہو جائے۔ لہٰذا اگر کام نہ ہو تو صبر کر۔ اسی طرح اگر کوئی کام تیری منشاء کے مطابق ہو جائے تو اللہ کا شکر ادا کر اور کام کو اُسی کی ذات کی طرف منسوب کر کہ یہی صبر و شکر مقامِ بندگی ہے۔

رسول بننا یہ ہے کہ چونکہ رسول جو کچھ کہے اس کو نہ ماننے والا کافر ہو جاتا ہے اس لیے اگر تو بھی یہ چاہے کہ تیری ہر بات مانی جائے اور نہ ماننے پر ناراض ہو جائے اور نہ ماننے والے پر برس پڑے تو پھر یہ سمجھ کہ تو اپنے آپ کو منصب رسالت پر بٹھا رہا ہے۔ یہ حق تو صرف رسول کو حاصل ہوتا ہے کہ جس نے ان کی بات مان لی وہ مومن ہوگیا اور جس نے رد کردی وہ کافر۔

یہی رویہ شخصیت پرستی کی وہ شکل ہے جس کی اسلام میں سختی سے ممانعت ہے۔ تاریخ میں بعض مذہبی رہنماؤں کے اِنہی رویوں کی وجہ سے مذہب بدنام ہوا اور مذہب بے زار رویوں کو فروغ ملا اور تحریکیں ناکام ہوئیں۔

عقیدت و اِحترام کا قرآنی معیار

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق دینی اور سیاسی رہنما خواہ عقیدت و احترام کے کتنے ہی اونچے منصب پر فائز ہو جائیں اختلاف و تنقید سے ماورا نہیں ہوتے۔ غیر مشروط اِطاعت و فرماں برداری صرف اللہ اور رسول ﷺ ہی کی ہے۔ باقی سب سے عقیدت و محبت مشروط ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا. (النساء، ۵۹:۴)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے''۔

﴿اُولِي الْاَمْرِ﴾ کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے قائد و سربراہ ہیں۔ خواہ وہ ذہنی و فکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر، یا ملکی انتظام چلانے والے حکام، یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج، یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار، غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحبِ امر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے۔ مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ کا لفظ اللہ اور رسول ﷺ دونوں کے لیے الگ الگ آیا ہے لیکن اُولِي الْاَمْر کے لیے اس لفظ کو دہرایا نہیں گیا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط ہے لیکن اُولِي الْاَمْر کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط نہیں بلکہ وہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ ان کے احکام اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے تابع ہوں اور ان میں کتاب و سنت کے ساتھ کوئی تضاد اور تخالف نہ ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِالْمَعْصِيَةِ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسّیر، باب السمع والطاعة الامام، ۳:۱۰۸۰، رقم:۲۷۹۶)

''امیر کی بات سننا اور اطاعت کرنا ضروری ہے جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دے۔ اگر وہ نافرمانی کا حکم دے تو نہ اس کی بات سنو اور نہ اس اَمر میں کہا مانو''۔

یہ محبتیں، یہ سوز و جنوں

جس کو کسی ستارے سے وابستگی ہے اُس کی اپنے ستارے کے ساتھ دوڑ ہے۔ کسی دینی شخصیت سے محبت کے پیچھے محبتِ اسلام اور محبتِ رسول ﷺ ہی چھپی ہے۔ اِسی لیے دینی شخصیات سے محبت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ہم اسلامی عقائد اور تصورات پر بحث کرتے ہیں تاکہ ہماری محبتیں شخصیت پرستی سے بچی رہیں اور شریعت کے دائرے کے اندر رہیں اور ہمیں ہماری اپنے اپنے ستاروں سے محبت بارگاہِ نبوی ﷺ تک لے جائے، جہاں ساری محبتیں محبتِ نبوی ﷺ میں جا کر ضم ہو جاتی ہیں۔ اپنوں سے محبت تو اپنی جگہ، حضور نبی اکرم ﷺ نے تو عقائد و نظریات پر اختلاف کے باوجود غیر مسلم دینی و سیاسی راہنما سے ملاقات پر اَخلاقی رواداریوں کا پاس کرتے ہوئے اُس کی عزت و تکریم کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ

قَدِمَ وَفْدُ النَّجَاشِيِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَامَ

يَخْدُمُهُمْ. فَقَالَ أَصْحَابُهُ: نَحْنُ نَكْفِيكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ. قَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوا لِأَصْحَابٍ مُكْرِمِينَ، فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُكَافِئَهُمْ.

(بیہقی، شعب الإیمان، ۵۱۸:۶، رقم:۹۱۲۵)

''شاہِ حبشہ نجاشی کا ایک وفد حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے خود اُن کی خاطر تواضع فرمائی۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کی طرف سے (مہمان نوازی کا فریضہ سر انجام دینے کے لئے) کافی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِن لوگوں نے (میرے) اصحاب کی عزت افزائی کی تھی۔ اس لئے میں نے پسند کیا کہ میں خود اِن کی اُس تکریم کا بدلہ دوں''۔

اچھے اخلاق اور اچھی صحبتیں محبتیں پیدا کرتی ہیں، جس کو صحبتِ نبوی ﷺ کا فیض ملا، اُس فیض یافتہ سے محبت دین و دنیا میں خیر و برکت کا باعث بن جاتی ہے۔ زِندوں کی صحبت، مُردوں میں زندگی کے آثار پیدا کر دیتی ہے اور اُس کے نصیب جاگ جاتے ہیں۔ اسی لیے مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

هیں غذائی دِل بده از همدلی
رَو بجُو اِقبال را از مُقبلی

(مثنوی، دفتر اول، ۷۲۶)

''ہاں! کسی دل والے سے (لے کر) دل کو خوراک دے۔ جا! کسی نصیبہ والے سے نصیبہ تلاش کر''۔

آج لوگ اِسلام سے اِس لیے محبت نہیں کرتے کہ اُنہیں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری سے محبت ہے بلکہ وہ شیخ الاسلام سے اِس لیے محبت کرتے ہیں کہ اُنہیں اسلام سے محبت ہے۔ یہ محبت الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ ہی ہے جس سے ایک فانی وجود کو اُمتِ محمدی میں بقا حاصل ہوجاتی ہے۔

تاریخِ اِسلام کے مشکل اَدوار میں دینی شخصیات سے محبت میں 'خود سپردگی اور جذب و جنوں' سے ہی اسلام کو سربلندی ملی اور اسلام ہر آزمائش میں سے سرخرو ہو کر نکلا۔ آج اسی 'یکسوئی اور عشق و جنوں' سے پاکستان کو عالم اسلام میں منفرد قائدانہ مقام ملے گا اور اِسلام انتہا پسندوں اور دہشت گردوں سے چھٹکارہ حاصل کرے گا۔ (اِن شاء اللہ)

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

گذشتہ ماہ مرکزی سیکرٹریٹ تحریک پر خدمات سرانجام دینے والے درج ذیل احباب کے اعزاء و اقارب اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ منہاج پروڈکشن پر خدمات سرانجام دینے والے جواں سال کارکن محترم محمد عمیر زاہد گذشتہ کچھ عرصہ سے کینسر کے مرض میں مبتلا تھے گذشتہ ماہ خالق حقیقی سے جاملے۔

☆ محترم علامہ محمد لطیف مدنی (مرکزی ناظم دعوت) کے بڑے بھائی محترم شفیق عثمان

☆ محترم محمد فاروق رانا (ڈپٹی ڈائریکٹر FMRi) کے چچا جان

مرکزی عہدیداران، سٹاف ممبران اور کارکنان تحریک منہاج القرآن نے مرحومین کے ایصال ثواب کیلئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

باہمی نظریاتی اختلافات

رحمت یا زحمت؟

شفاقت علی شیخ ☆

مثبت و بامقصد معاشرہ کی تعمیر کا اہم عامل باہمی تعاون ہے۔ انسانی دنیا کے اندر موجود مختلف قسم کے تضادات اور اختلافات تخلیقی تعاون کی اولین بنیاد ہیں ۔ ہر انسان کے اندر کچھ خامیاں بھی ہیں اور نقائص بھی۔ انسانوں میں موجود خوبیاں انہیں ایک دوسرے کی طرف مائل ہونے اوران سے تعاون حاصل کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ کوئی بھی انسان نہ تو تمام خوبیوں کا مالک ہے کہ وہ دوسروں کا محتاج ہی نہ رہے اور نہ ہی ایسا ہے کہ وہ بالکل خالی ہو کہ اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ ہو ۔دنیا کے نظام کو چلانے کے لئے ایک جیسے لوگوں کی نہیں بلکہ مختلف لوگوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالی نے اس حکمت اور مصلحت کے تحت لوگوں کے درمیان مختلف قسم کے فرق رکھ دیئے تا کہ دنیا کا نظام حسن وخوبصورتی کے ساتھ چلتا رہے۔

تفاوت کی تین اقسام

یوں تو لوگوں کے درمیان بے شمار فرق پائے جاتے ہیں تاہم تعاون کے ضمن میں مندرجہ ذیل تین اقسام کے فرق کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ مختلف خصوصیات کے حامل افراد

اللہ رب العزت نے ہر انسان کو جو شخصیت (Personality) دی ہے وہ اپنے اندر ایک انفرادیت (Individuality) رکھتی ہے۔لہٰذا کسی بھی انسان کو مکمل طور پر دوسرے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ نہ تو اپنی کسی خوبی کی بناء احساسِ برتری میں مبتلا ہونا چاہیے اور نہ ہی کسی خامی کی بناء پر احساس کمتری کا شکار ہونا چاہیے۔اپنا موازنہ دوسروں کے ساتھ اور دوسروں کا موازنہ اپنے ساتھ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اپنے آپ کو یا کسی دوسرے شخص کو مکمل طور پر کامل سمجھنا چاہیے۔ ہر انسان خوبیوں اور خامیوں کا مرقع ہوتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی اور دوسروں کی انفرادی صلاحیتوں، مخصوص صفات اور جداگانہ تشخص کو سمجھا جائے اور باہمی معاملات میں اُنہیں ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

۲۔ مختلف اندازِ فکر

ہر ایک شخص کا سوچنے کا انداز دوسرے سے مختلف ہے اور ہر ایک کے اندر جداگانہ اندازِ سوچ کی بناء پر سیکھنے کا انداز بھی مختلف ہوتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ کوئی خصوصیت کسی دوسرے سے بہتر نہیں ہوتی، بس ذرا مختلف ہوتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک فرد حسابی اور منطقی انداز سے زیادہ آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔ جبکہ دوسرے کو اشکال اور تصاویر کی مدد سے سیکھنے میں زیادہ

shafaqatalisheikh@yahoo.com ☆

آسانی محسوس ہوتی ہو۔مگر وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر ذہین ہوں۔ سوچ کا یہ مختلف انداز بے شمار ترقیوں اور ایجادات کا باعث بنتا ہے۔ باہمی تعاون کے ضمن میں ہمیں دوسروں کی سوچ کے انداز کو ملحوظ خاطر رکھنے اور اُس کی قدر کرتے ہوئے اُس سے استفادہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۳۔مختلف نقطہ ہائے نظر

ہر شخص دنیا کو مختلف انداز میں دیکھتا ہے اور اپنے نقطہ نظر(Point of view) کے مطابق اُس کی تشریح کرتا ہے۔بیرونی دنیا کے حقائق تو سب کے لئے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں مگر ہر شخص کا اُنہیں دیکھنے اور اُن کی تشریح کرنے کا ایک اپنا اور منفرد انداز ہوتا ہے جس کی تہہ میں اُس کے اپنے عقائد، تصورات اور ماضی کے تجربات و مشاہدات کارفرما ہوتے ہیں۔یہیں سے آراء کا فرق جنم لیتا ہے اور بعض اوقات یہ فرق اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ دو افراد کسی ایک ہی چیز کی تشریح کرتے وقت ایک دوسرے کے بالکل مختلف مؤقف اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔

ہمیں اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا اور زندگی وہی نہیں ہے جو ہمیں دکھائی دے رہی ہے، اُس کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے۔کسی بھی معاملے میں ہمارا تصور ہی حرف آخر نہیں ہے کہ اُس میں کسی کمی بیشی یا ردوبدل کی گنجائش ہی نہ ہو۔ ایمانیات کے ضمن میں چند بنیادی باتیں جو دو + دو = چار کی طرح مسلمہ حقائق کا درجہ رکھتی ہیں،اُن کو چھوڑ کر باقی کسی بھی معاملے میں ہمارے تصور میں نظر ثانی کی گنجائش موجود ہوتی ہے اور حقیقت اُس سے مختلف ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم اسے تصور کئے ہوئے ہوں۔ تمام جزوی اور فروعی معاملات کے ضمن میں امام شافعیؒ کا یہ قول بہترین اصول فراہم کرتا ہے:

''میری رائے درست ہے مگر احتمالِ خطا کے ساتھ، دوسرے کی رائے غلط ہے مگر احتمالِ صواب کے ساتھ''۔

لہٰذا ہمیں اپنی رائے کو درست سمجھنا چاہیے مگر اس بات کے امکان کو رد نہیں کرنا چاہیے کہ اُس میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے کی رائے کو غلط سمجھنے کا حق ہمیں حاصل ہے مگر اتنی گنجائش رکھنی چاہیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح ہی ہو، مگر اُس کا صحیح ہونا مجھ پر آشکار نہ ہو رہا ہو۔ لہٰذا اپنے دل و دماغ کے دروازوں کو سختی سے بند کرنے کی بجائے ہمیشہ کھلے رکھنا چاہیے تاکہ وہ باہر سے آنے والے نئے نئے تصورات (Ideas) پر غور کر سکیں اور اُن کے اندر جہاں کہیں سچائی موجود ہو اُسے اپنایا جا سکے۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی معاملے میں اگر ایک فرد صحیح ہے تو لازماً دوسرا غلط ہوگا۔ یہ بات منطقی طور پر تو درست ہو سکتی ہے لیکن نفسیاتی طور پر درست نہیں۔عین ممکن ہے کہ ایک شخص کسی چیز کو جس مقامِ نظر(Vantage Point) سے دیکھ رہا ہو دوسرا کسی اور سے دیکھ رہا ہو اور پھر دونوں اپنے اپنے مشاہدات کے مطابق اس کی تشریح کر رہے ہوں اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ درست ہوں اور دونوں کی متفرق آراء مل کر ہی پوری حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔

جب تک ہم اپنے ادراک کے فرق کی قدر نہیں کریں گے اور جب تک ہم ایک دوسرے کی رائے کا احترام نہیں کریں گے اور اس بات کے امکان کو نہیں مانیں گے کہ ہم دونوں صحیح ہو سکتے ہیں اور یہ کہ زندگی ہمیشہ ہاں یا نہیں میں نہیں ہوتی، بلکہ ہمیشہ تیسرے متبادل کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔تب تک ہم کبھی بھی اپنے دیکھنے کے مخصوص انداز سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے اور نہ ہی دوسروں کے ساتھ تخلیقی تعاون کی حقیقی لذتوں سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔

جب تک اشخاص اپنی اپنی رائے پر اڑے رہیں گے اور اپنے اپنے مشاہدے پر اصرار کرتے ہوئے اُسے ہی سچ سمجھتے رہیں گے تب تک اُن دونوں میں نہ اتفاق رائے پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے

ساتھ تعاون پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ وہ صرف اُس وقت آپس میں متفق ہو سکتے ہیں جب وہ اپنے اپنے مقامِ نظر سے اُوپر اُٹھ کر دوسرے کے مقامِ نظر سے دیکھنا شروع کریں گے تو پھر پوری حقیقت اُن پر آشکار ہو جائے گی اور اُن کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق کرنا اور اکٹھے چلنا ممکن ہو جائے گا۔

یہی حقیقت زندگی کے جملہ معاملات میں کار فرما ہے۔ اپنی رائے پر اڑنے والا شخص کبھی پوری حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ رائے کے فرق کی قدر کرنے والا شخص ہی پوری حقیقت کو پا سکتا ہے۔ ادھوری حقیقت کو پوری حقیقت سمجھنے والا شخص ہمیشہ غیر مؤثر رہے گا۔ جبکہ فرق کی قدر کر کے پوری حقیقت تک پہنچ جانے والا شخص ہی مؤثر انسان بنے گا۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو وہ تمام انسانوں کو ایک ہی گروہ بنا سکتا تھا لیکن اُس نے انسانوں کے درمیان مختلف گروہ بنائے اور اُن کے درمیان طرح طرح کے فرق اور تضادات پیدا کر دیئے۔ ہمیں ان اختلافات کو دل و جان سے قبول کرتے ہوئے ان کی قدر کرنی چاہیے۔ شاید اسی نکتے کی طرف ہی اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا:

اختلاف اُمتی رحمة. (کنز العمال، رقم ۲۸۶۸۶، ۱۰/۵۹)

''میری اُمت کے اندر اختلاف رائے باعثِ رحمت ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ اختلاف رائے کے مخلصانہ احترام سے ہی ہم حقیقت کے اُن پہلوؤں تک پہنچ سکتے ہیں جو پہلے ہماری نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں، اسی سے ہمارے علم کے اندر وسعت اور ترقی آتی ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک جیسی رائے رکھنے والے دو یا دو سے زائد لوگ جمع ہوں تو اُن کے جمع ہونے سے علم کے نئے دروازے نہیں کھلتے اور معلومات کو دائرہ کار سکڑ کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کے درمیان پائے جانے والے جسمانی، ذہنی، جذباتی اور نفسیاتی فرق کی قدر کرتے ہوئے اُن سے استفادہ کرنا تعاون کی اولین شرط ہے۔

باہمی اختلاف کے حوالے سے لوگوں کی تین اقسام

اختلاف کا سامنا کرنے کے حوالے سے لوگوں کے اندر درج ذیل تین قسم کے طبقات پائے جاتے ہیں اور اسی حوالے سے تعاون کے معرض وجود میں آنے یا نہ آنے کا تعین ہوتا ہے۔

۱۔ اختلاف سے نفرت

پہلا طبقہ اُن لوگوں کا ہے جو اختلاف سے نفرت کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔ اُن کو ہر وہ شخص بیگانہ اور اجنبی دکھائی دیتا ہے جو اُن سے مختلف رنگ یا نسل یا قبیلے کا ہو یا کسی اور علاقے کا رہنے والا ہو یا جس کا طرزِ بود و باش ان سے مختلف ہو یا جس کے عقائد و نظریات ان سے مختلف ہوں۔ ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کا راستہ ہی بہترین، درست اور واحد راستہ ہے اور جو لوگ بھی اُن سے مختلف ہیں وہ غلط ہیں۔ چنانچہ وہ اُن سے نفرت کرتے ہیں اور بعض اوقات تو یہ نفرت، دشمنی تک میں بدل جاتی ہے۔ ہمارے ہاں بعض انتہا پسند لوگوں کا اپنے نظریاتی مخالفین کو قتل تک کر دینا اس کی ایک واضح مثال ہے۔

چنانچہ ایسے لوگوں کے اندر دوسروں سے کسی بھی قسم کے تعاون کا امکان سرے سے معدوم ہوتا ہے۔

۲۔ اختلاف برداشت کرنا

دوسرا طبقہ ایسے لوگوں کا ہے جن کا خیال ہوتا ہے کہ ہر شخص کو دوسرے سے مختلف ہونے کا حق حاصل ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اختلاف سے نفرت نہیں کرتے تاہم وہ اُسے گلے بھی نہیں لگاتے۔ اُن کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دوسرے اپنی راہ پر چلیں اور ہم اپنی راہ پر چلیں۔ دوسرے ہمیں زحمت نہ دیں اور ہم دوسروں کو زحمت نہ دیں۔ ایسے لوگوں کے درمیان بھی اول تو تعاون معرض وجود میں ہی نہیں آتا اور اگر کہیں آ بھی جائے تو وہ تخلیقی تعاون نہیں

ہوتا، بلکہ غیر تخلیقی ہوتا ہے کیونکہ اُنہیں باہمی فرق ایک رکاوٹ دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے وہ خوش دلی سے باہمی تعاون پر آمادہ نہیں ہوتے۔

۳۔ اختلاف قبول کرنا

یہ وہ لوگ ہیں جو اختلاف کو صرف مانتے ہی نہیں بلکہ اُسے دل وجان سے قبول بھی کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ اختلاف کو کمزوری سمجھنے کی بجائے طاقت سمجھتے ہیں۔ وہ خلوص دل سے محسوس کرتے ہیں کہ دو ایسے افراد جو مختلف انداز میں سوچتے ہیں، دو ایک جیسے سوچنے والوں کی نسبت زیادہ کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ اُنہیں احساس ہوتا ہے کہ اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ چلنے کا یہ مطلب نہیں کہ تمام اختلافی اُمور پر لازماً متفق ہونا ہے، بلکہ بعض معاملات میں اختلاف کے برقرار رہنے کے باوجود بھی دیگر معاملات میں بھی مل جل کر آگے بڑھا جا سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں کافروں سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ. (اٰل عمران، ۳: ٦٤)

''اے اہل کتاب! آؤ اُس ایک بات پر جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اتفاق کر لیتے ہیں کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے''۔

کافروں اور مسلمانوں کے درمیان ظاہر ہے کہ بہت سے معاملات میں اختلافات تھے۔ تاہم اُنہیں کہا گیا کہ باقی اختلافی اُمور کو ایک طرف رکھتے ہوئے وہ ایک بات جو ہم دونوں کے نزدیک مسلمہ ہے، اُس پر اتفاق رائے سے چلتے ہیں۔

گویا یہ تیسرا طبقہ ہی وہ طبقہ ہے جو تعاون کے معیار پر صحیح معنوں میں پورا اُترتا ہے اور اس قابل ہے کہ لامحدود امکانات سے بھری ہوئی اس رنگ برنگی دنیا میں نئے جہاں آباد کر سکے۔

تعاون، تواضع و انکساری کا متقاضی

تعاون کو معرض وجود میں لانے کیلئے جہاں اختلافات کی قدر کرنا ضروری ہے وہاں تواضع و انکساری کی صفت کو اپنانا بھی ضروری ہے۔ تواضع کا مطلب ہے اپنی حدود و قیود کو جاننا اور خوامخواہ اپنے آپ کو اپنی حیثیتِ اصلی سے زیادہ سمجھنے (Over estimate) سے گریز کرنا۔ تعاون کے ثمرات سے متمتع ہونے کیلئے اس صفت کو اپنے مزاج کا حصہ بنا لینا بہت ضروری ہے۔ تواضع کی ضد تکبر ہے، جس کا مطلب ہے۔

اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا۔ تکبر کے ہوتے ہوئے انسان نہ تو اپنی ذات سے باہر کسی سچائی کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتا ہے اور نہ ہی اُس کی جھوٹی انانیت اور خود پسندی اُسے دوسروں کی سطح پر آ کر اُن کے ساتھ تعاون کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ حضور ﷺ نے تکبر کی علامات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الكبر بطر الحق وغمط الناس

''تکبر یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔'' (مسلم، الصحیح، باب تحریم الکبر وبیانہ، ۱، ۹۳، رقم: ۹۱)

یہاں تکبر کی جو دو علامات بیان کی گئی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ متکبر آدمی کے سامنے جب کوئی سچائی آتی ہے جس کی زد اُس کے پہلے سے خود ساختہ عقائد و نظریات پر پڑ رہی ہو تو اُس کی انانیت آڑے آتی ہے اور وہ اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کو تسلیم کر لینے سے اُس کا مقام اور مرتبہ گھٹ جائے گا۔ چنانچہ اس کا آسان حل اُسے یہ دکھائی دیتا ہے کہ اُسے ماننے سے ہی انکار کر دیا جائے۔ اس کی ایک بڑی واضح مثال کفار مکہ کی ہے جن کے متعلق قرآن نے بتایا کہ:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآئَهُمْ

''وہ انہیں (آپ ﷺ) کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔'' (البقرہ،۲: ۱۴۶)

یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں حضور ﷺ کے متعلق اتنی نشانیاں بیان کر دی گئیں تھیں کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو پہچاننا اُن کے لئے ایسے ہی تھا جیسے اپنے بیٹوں کو پہچان لینا۔ پھر اُنہوں نے ماننے سے انکار کیوں کر دیا ؟ اس کی وجہ اُن کا یہی تکبر اور گھمنڈ تھا جس کا وہ شکار تھے۔

تکبر کی دوسری علامت یہ بتائی گئی ہے کہ اُس میں انسان دوسرے لوگوں کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے، جس کی بناء پر اُن کے ساتھ برابری کی سطح پر معاملات طے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہ دونوں علامات تعاون کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔

کامیاب اور مؤثر لوگوں کے اندر اپنی عزت نفس کو برقرار رکھتے ہوئے تواضع اور انکساری کی شان پائی جاتی ہے جس کی بناء پر وہ اپنی سوچ اور احساسات کی حدود کو جانتے ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ اُن کا فہم و ادراک بہت محدود ہے۔ وہ دوسروں کے دل و دماغ میں موجود علم کے بے بہا ذرائع کے معترف ہوتے ہیں اور اُن سے رابطے اور تعلق کی بدولت جو علم اُنہیں حاصل ہوتا ہے اُس کی قدر کرنا بھی جانتے ہیں۔ حقیقت کی پہچان کیلئے اپنے علم کے علاوہ اُنہیں دوسرے لوگوں سے جو علم حاصل ہو سکتا ہے وہ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے علم میں اضافہ ہی اُس وقت ہوتا ہے جب ہمیں وہ علم حاصل ہو جو ہمارے پاس پہلے موجود نہیں تھا اور یقیناً یہ دوسروں کے ذریعے سے ہی میسر آ سکتا ہے۔ جب ہم صرف اپنے تجربات تک محدود ہو جاتے ہیں تو پھر ہم مستقل معلومات کی کمی کا شکار رہتے ہیں۔

متواضع و منکسر شخصیات

تواضع اور انکسار والے لوگ کس طرح حق کے متلاشی ہوتے ہیں اور اُس کے سامنے آنے پر اپنی انانیت کو ایک طرف رکھتے ہوئے کیسے اُسے فوراً قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت کیلئے مندرجہ ذیل دو مثالوں پر غور کریں :

۱۔ اسلام قبول کرنے سے قبل سیدنا فاروق اعظمؓ کی اسلام دشمنی بڑی مشہور و معروف تھی اور شہر مکہ کے اندر وہ اسلام کے بدترین مخالفین کے حوالے سے جانے جاتے تھے۔ ایک دن یہ عداوت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ برہنہ تلوار لے کر سر عام معاذ اللہ حضور ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے چل پڑتے ہیں۔ جب وہ اس نیت سے چلے ہوں گے تو راستے میں کئی لوگوں کے علم میں آیا ہو گا کہ وہ کس ارادے سے جا رہے ہیں۔ آگے جا کر جب حق اُن کے سامنے آشکار ہو گیا، اور اُن کے دل و دماغ نے اُسے مان لیا تو وہ ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر حضور ﷺ کی غلامی میں آ گئے۔ اُنہوں نے قطعاً نہ سوچا کہ جن لوگوں کے اندر میں اسلام دشمن کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہوں اور جن لوگوں نے آج مجھے تلوار لے کر آتے دیکھا ہے وہ سب میرے بارے میں کیا سوچیں گے اور کیا کہیں گے۔ اُن کی یہی وہ اعلیٰ ظرفی اور حقیقت پسندی تھی جس نے اُنہیں عمر سے فاروق اعظمؓ بنا دیا۔

۲۔ دوسری مثال قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ اُنہوں نے اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال ہندو مسلم اتحاد کیلئے کوششیں کرنے اور اس نظریے کے پرچار میں صرف کئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُنہیں ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کا لقب دے دیا گیا۔ پھر جب علامہ اقبالؒ نے بڑی درد مندی اور دلسوزی کے ساتھ سمجھایا کہ اُن کا نظریہ درست نہیں ہے اور اس کی بجائے اُنہیں مسلمانوں کیلئے ایک جداگانہ مملکت کے قیام کیلئے کوششیں کرنی چاہیے۔ اُن کے دل و دماغ نے اس بات کو تسلیم کر لیا تو اُنہوں نے اپنے ماضی کی تاریخ سے رشتہ کاٹتے ہوئے اور

معاشرے کے اندر اپنی ساکھ کو داؤ پر لگاتے ہوئے فوراً ہی اپنے پہلے نظریے سے رجوع کرتے ہوئے نئے نظریے کو اپنا لیا' اور اپنی بقیہ زندگی کے قیمتی سال اس کے لئے کوششیں کرنے اور اُس کی تعبیر حاصل کرنے میں صرف کر دیئے۔تصور کریں کہ اگر وہ یہ سوچنے بیٹھ جاتے کہ میری تو عمر بھر کی اب تک کی جمع شدہ پونجی (معاشرے کے اندر عزت و وقار وغیرہ) لٹ جائے گی اور لوگ مجھے کیا کہیں گے تو دنیا کی تاریخ ہی مختلف ہوتی۔نہ پاکستان کا قیام معرض وجود میں آیا ہوتا اور نہ ہی محمد علی جناح قائداعظمؒ بنے ہوتے۔

چنانچہ ایک طرف تو تواضع والے لوگ سچائی کو کھلے دل سے تسلیم کر لینے والے ہوتے ہیں خواہ وہ اپنی ذات کی نفی کی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ امام شافعی کا بیان ہے کہ

''بحث و مباحثے کے دوران میری خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو میرے مخالف کی زبان سے ہی جاری کرادے اور میں اسے مان لوں''۔

غور فرمائیں کہ امام شافعیؒ کو اس سے غرض نہیں ہے کہ بحث و مباحثہ کے دوران حق ان کی زبان سے ہی جاری ہو اور دوسرے سن کر اسے مان لیں اور اس طرح ان کے احساس برتری کو نفسیاتی تسکین ملے۔ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ انہیں صرف حق سے دلچسپی ہے اور وہ ان کے مخالف کی زبان سے بھی نکل آتا ہے تو ان کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

متواضع لوگوں کو حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات کی خوبیوں اور دوسروں کی خامیوں کو دیکھ دیکھ کر خوامخواہ کے احساس بڑائی میں مبتلا نہیں ہوتے ہیں اور دوسروں کو حقیر سمجھنا نہیں شروع کر دیتے بلکہ وہ پوری دیانت داری سے محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت مختلف لوگوں میں مختلف خوبیاں اور اوصاف رکھے ہوئے ہیں جن کا مقصد نظام کائنات کو بہتر انداز میں چلانا ہے نہ یہ کہ اس بناء پر کسی کو کمتر اور کسی کو برتر سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنے آپ کو معاشرے سے منفرد کوئی چیز سمجھنے کی بجائے خود کو ماحول اور معاشرے کا حصہ سمجھتے ہوئے دوسرے لوگوں کے ساتھ گھل مل کر کام کرنے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔دوسروں سے تعاون کرنے اور دوسروں سے تعاون لینے میں عار محسوس نہیں کرتے اور یوں وہ تعاون کے ثمرات سے بہرہ ور ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

باہمی اعتماد، تعاون کا جزو لاینفک

تعاون کیلئے ''باہمی اعتماد کا ہونا'' ایک لازمی امر ہے۔ جب تک دو افراد کو ایک دوسرے پر اعتماد ہی نہیں ہو گا تب تک وہ کسی بھی طرح ایک دوسرے سے تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے بلکہ تعاون تو دور کی بات ہے وہ ایک دوسرے کے قریب آنے اور بات چیت کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوں گے۔ لہٰذا دوسروں کے ساتھ مل جل کر چلنے اور تعاون کے ذریعے بہترین حل تلاش کرنے کیلئے بہت ضروری ہے کہ پہلے دوسروں کی نظروں میں ہمارا اعتماد قائم ہو چکا ہو۔یعنی دوسرے ہمارے اُوپر اعتبار اور بھروسہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔

دوسروں کی نظروں میں اعتماد کا بننا ایک دن کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک مسلسل اور متواتر عمل ہے جو آہستہ آہستہ پروان چڑھتا ہے۔جوں جوں لوگوں کی نظروں میں ہمارا اعتماد بڑھتا چلا جاتا ہے ویسے ویسے تخلیقی تعاون کے لئے زمین ہموار ہوتی چلی جاتی ہے۔ سائنس کے اندر بعض مقداروں میں راست تناسب کا تعلق پایا جاتا ہے یعنی کسی ایک کے بڑھنے یا گھٹنے سے اُسی مناسبت سے دوسری بھی زیادہ یا کم ہو جاتی ہے۔کچھ ایسا ہی معاملہ یہاں ہے کہ تعاون کا دارومدار باہمی اعتماد پر ہے۔جس درجے میں باہمی اعتماد ہو گا اُسی درجے میں تعاون کو معرض وجود میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جہاں اعتماد ہو وہاں لازماً تعاون بھی اُسی درجے میں پایا جارہا ہو مگر یہ ضروری ہے کہ جہاں تعاون ہو تو اُس کی بنیاد میں اُسی سطح کا اعتماد بھی موجود ہو۔

تعاون کا عملی منصوبہ

تعاون کو عملی طور پر معرض وجود میں لانے کیلئے ذیل میں دیئے گئے پانچ درجاتی (Five Steps) فارمولے پر عمل پیرا ہونا خاصے مفید نتائج فراہم کر سکتا ہے اور تعاون کے راستے پر گامزن ہونے میں آسانیاں پیدا کر سکتا ہے:

۱۔ مسئلہ یا موقع کی نشاندہی

سب سے پہلے اس بات کا تعین کیا جانا ضروری ہے کہ زیر بحث یا حل طلب مسئلہ کیا ہے ؟جس کے بارے میں غور وفکر کرنا اور کسی بہتر نتیجے پر پہنچنا ہے۔

۲۔ دوسروں کے خیالات سے آگہی

پہلے دوسروں کو موقع دیں کہ وہ اُس مسئلے کے حوالے سے اپنے خیالات کو تفصیل سے بیان کر سکیں اور اپنے نقطہء نظر کی وضاحت کر سکیں بعد ازاں خلوص دل کے ساتھ اُن کے زاوئیہ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

۳۔ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت

دوسروں کے خیالات کو جاننے کے بعد اپنے خیالات بڑے مربوط انداز میں دلائل و براہین کے ساتھ اُن کے سامنے رکھیں اور کوشش کریں کہ آپ کے نقطہ نظر کو پوری طرح سمجھ لیا جائے۔

۴۔ غور وفکر

اپنے اور دوسروں کے خیالات کے اظہار کے بعد کا جائزہ لیتے ہوئے نئے امکانات اور متبادلات تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ ہر قسم کے تعصّبات سے اُوپر اُٹھ کر پوری دیانتداری سے بہترین نتائج اخذ کرنے کی کوشش کریں۔

اس حوالے سے درج ذیل باتوں کو یاد رکھیں:

i۔ تخلیقی انداز اپنایئے: اپنے پہلے سے سوچے سمجھے نظریات علیحدہ رکھ کر ایسے حل کی طرف توجہ مرکوز کریں جس سے دوسرا فریق بھی مطمئن ہو سکے۔

ii۔ تنقید کی پرواہ مت کریں : غور وفکر کا کام مکمل طور پر ذہن کو پر سکون رکھتے ہوئے کریں۔ اس بات سے مت گھبرائیں کہ لوگ کہیں تنقید ہی نہ کریں۔ تنقید جیسی شے تخلیق کا راستہ نہیں روک سکتی۔

iii۔ اچھی بات سوچیئے: اپنی تجاویز کی بنیاد بہترین خیالات پر رکھیں۔ ایک بہترین نظریہ دوسرے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور دوسرا تیسرے کی طرف۔

۵۔ بہترین حل

معاملے کے ہر ہر رُخ پر اور مذکورہ تین اصولوں کے ساتھ فراخدلانہ غور وفکر کرنے کے بعد تمام آراء وتجاویز کی روشنی میں بہترین حل کو دریافت کریں۔ ایسا حل جو انفرادی طور پر ذہنوں میں آنے والے حل کی نسبت زیادہ بہتر، قابل عمل اور تمام فریقین کے لئے زیادہ فوائد وثمرات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو۔ مسئلے کا یہ حل عام طور پر پہلے کسی کے ذہن میں نہیں آتا مگر جب چند لوگ مل جل کر تخلیقی انداز میں سوچ بچار شروع کرتے ہیں تو کسی نہ کسی کے ذہن میں آ جاتا ہے اور دوسروں کے ذہن بھی اس پر یوں متفق اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ جیسے یہ خیال ان کے اپنے ہی ذہن کی پیداوار ہو۔ یہی سب سے بلند راستہ ہے جو تعاون کا مقصود ہوتا ہے۔

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ فریقین کے درمیان باہمی اعتماد کی سطح بہت بلند ہوتی ہے اور مسئلہ بھی جانا پہنچانا ہوتا ہے نیز اس کے حوالے سے تقریباً سب کی رائے بھی پہلے سے معلوم ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں پہلے تین مراحل کو نظرانداز کرتے ہوئے براہ راست چوتھے درجے سے مسئلے کا حل تلاش کرنا شروع کیا جا سکتا ہے۔

لہذا اپنے دل و دماغ میں اتنی وسعت اور کشادگی پیدا کریں جو ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ خوش دلی سے تعاون کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔

اس بات کو دل و دماغ میں نقش کر لیں کہ آپ ساری کائنات میں ایک بالکل منفرد وجود رکھتے ہیں۔ کوئی بھی دوسرا شخص آپ کی طرح کا نہیں ہے۔ لہٰذا کسی بھی شخص سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے احساس برتری یا کمتری کا شکار ہونا حماقت ہے۔ اپنی انفرادیت کو ماننے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی انفرادیت کا بھی اقرار کر لیں کہ اُن میں سے بھی ہر فرد ایک منفرد وجود رکھتا ہے جو اپنی جداگانہ اور مخصوص صفات و خصوصیات کا مالک ہے۔ کسی بھی شخص کا کسی دوسرے شخص سے موازنہ کرنا درست نہیں ہے۔ ہر شخص دوسرے سے مختلف ہے اور ایک مخصوص تشخص اور انفرادیت کا مالک ہے جسے تسلیم کرتے ہوئے اُس کی صلاحیتوں، توانائیوں اور استعداد سے بھرپور فائدہ حاصل کرنا ہے اور تخلیقی تعاون کے ذریعے نئی راہوں کو تراشنا اور نئی منزلوں کو حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا جو بھی شخص سامنے آئے اُس کی شخصیت کا بغور جائزہ لیتے ہوئے اُس کی اچھوتی اہلیتوں اور مخصوص جوہر (Talent) کو دریافت کرنے کی کوشش کریں۔ پھر اُن صلاحیتوں کو اپنی صلاحیتوں سے ملاتے ہوئے اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے منصوبہ بندی کریں۔

گوشہ درود (رپورٹ: صاحبزادہ محمد افتخار الحسن۔ منتظم گوشہ درود)

امت مسلمہ کا حضور نبی کریم ﷺ سے جو رشتہ غلامی اور تعلق حبی و عشقی کمزور ہوتا جارہا تھا اسے پھر سے مضبوط و مستحکم کرنے اور نسبتِ محمدی ﷺ کو مزید پختہ کرنے کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے مرکز منہاج القرآن پر دسمبر 2005ء میں گوشہ درود قائم کیا جہاں فرض نماز کے اوقات کے علاوہ 24 گھنٹے درود و سلام اور قرآن مجید کی تلاوت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مرکزی گوشہ درود اور اس کے تحت چلنے والے حلقات درود و فکر کے ذریعے ماہ جنوری 2015ء میں 2 ارب 20 کروڑ 61 لاکھ 17 ہزار 303 مرتبہ درود پڑھا گیا اور ماہانہ مجلس ختم الصلوۃ علی النبی ﷺ منعقدہ 5 فروری 2015ء کو آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ اب تک 93 ارب 71 کروڑ 29 لاکھ 72 ہزار 960 مرتبہ درود پاک حضور تاجدار کائنات ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا ہے۔ گوشہ درود میں ہر دس دن کے بعد افراد گوشہ نشینی کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ وہ احباب نفلی اعتکاف کی نیت سے آتے ہیں اور انہیں نفلی روزہ بھی رکھوایا جاتا ہے۔ ماہ جنوری 2015ء میں جو خوش نصیب گوشہ نشین ہوئے ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

محمد افضل (شیخوپورہ)، ہارون الرشید (سدھنوتی)، اصغر علی (شیخوپورہ)، عمران علی (چنیوٹ)، محمد گلزار شاہ (قصور)، ڈاکٹر سلطان محمود چوہدری (لاہور)، عبدالکریم (سدھنوتی)، رانا ناصر محمود (لاہور)، محمد جمیل انور کھوکھر (شیخوپورہ)، ظہور احمد (سدھنوتی)، شاہ محمد قادری (لاہور)، علی رضا لطیف (شیخوپورہ)، محمد احمد ڈوگر (لاہور)، محمد عاطف (لاہور)، علی شان (فیصل آباد)، محمد عمر سلیم سیالوی (فیصل آباد)، شوکت علی (قصور)، راشد منہاس (لاہور)، مختار حسین شاہ (خوشاب)، محمد ابرار (کینٹ)، شوکت علی عباسی (مظفر آباد)، ڈاکٹر محمد یونس پرویز (فیصل آباد)، ابرار عابد حسین (اوکاڑہ)، ظہیر احمد (سیالکوٹ)، محمد تجمل بھٹی، نثار احمد نثار (لاہور)، محمد اکمل بھٹی (ننکانہ صاحب)، محمد اصغر (گوجرانوالہ)، سید حسین اعظم (لاہور)، میاں محمد زاہد (بھکر)، محمد سہیل (چکوال)، محمد ذکراللہ ورک (شیخوپورہ)، ممتاز احمد (ایبٹ آباد)، ظفر عباس طاہر (سرگودھا)، محمد یونس (بھکر)، قیصر حسین (بھکر)، عبدالقیوم عباسی (ایبٹ آباد)، الطاف حسین خان (ٹوبہ ٹیک سنگھ)، محمد وقاص اکرم (لاہور)، وسیم اصغر (لاہور)، حاجی رشید احمد (لاہور)، حاجی منظور احمد (لاہور)

نوٹ: گوشہ درود میں گوشہ نشینی کے لئے آنے کے خواہشمند احباب درج ذیل نمبرز پر رابطہ کر سکتے ہیں:

☆ صاحبزادہ محمد افتخار (منتظم گوشہ درود) 0321-4282300 ☆ سید مشرف علی شاہ (سربراہ گوشہ درود)

0334-2624263 ☆ علامہ محمد لطیف مدنی (کوآرڈینیٹر) 0300-4210023 آفس نمبر 042-35179463

پاکستانی سیاست

بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت

ایس ایچ صدیقی

کسی بھی ملک کے رہنے والے سوجھ بوجھ کے مالک ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ملک کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر رواں دواں دیکھے۔ چنانچہ ایسے افراد اپنے ملک کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے، اس میں سچی جمہوریت کو فروغ دینے، اس میں بسنے والے افرادِقوم کو علم اور خواندگی کی دولت سے مالا مال کرنے، اس میں موجود غربت و افلاس کو دور کرنے اور اس کے گوناگوں مسائل کو حل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ لوگوں کا اشتراک حاصل کرنے کے لئے مخلصانہ کوششیں کیا کرتے ہیں۔ اپنی قوم کو ایک مضبوط اور باوقار قوم بنانے کے لئے اپنے وقت، اپنی بہترین صلاحیتوں، اپنے مال حتی کہ اپنی جان تک کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ایسے افراد اپنی ذات کو بھرپور اجتماعی جدوجہد کے حوالے کردیا کرتے ہیں اور اس وقت تک دم نہیں لیتے جب تک ان کی قوم گمراہی کی اندھیری پگڈنڈیوں سے نکل کر ہدایت کی سیدھی اور روشن شاہراہ پر چل نہیں پڑتی۔ وہ ہر طرح کی ذاتی اغراض اور بے جا طرفداریوں سے بالا ہوکر قوم میں سے بہترین صلاحیتوں کے حامل افراد کو اعتماد میں لیتے ہیں۔

ایسے ہی افراد بجا طور پر اپنی قوم کے قائد اور رہنما قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ قوم ان کے ایثار، محنت اور قابلیت سے متاثر ہوکر ان پر اعتماد کا اظہار اور ان سے تعاون کرتی ہے اور ہر دو عوامل مل کر ملک کی تعمیر کرتے ہیں۔ اس طرح ایک قوم سچے جمہوری عمل کے ذریعے حقیقی ترقی کی راہ پر گامزن ہوجاتی ہے۔

اہل پاکستان کی یہ بدقسمتی ہے کہ سیاسی جدوجہد کے میدان میں ایسے افراد وافر تعداد میں نہیں نکل سکے جو ان صفات کے مالک ہوتے جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ قیادت کے منصب پر عموماً ایسے لوگ فائز ہوگئے ہیں جو عوام کی صحیح رہنمائی کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ یہ بات محض اتفاقیہ اور ایک حادثہ کے طور پر رونما نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ اس سیاسی ڈھانچے کا منطقی نتیجہ ہے جو قیام پاکستان کے وقت وجود میں آیا تھا۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ تحریک پاکستان کے دوران مسلمانوں کی سیاسی جماعت مسلم لیگ میں قیادت و رہنمائی کا مقام چند ایک لیڈروں کو چھوڑ کر زیادہ تر ان افراد کو حاصل ہوا جنہیں غلامی کے دور میں مال و دولت کی بنیاد پر معاشرے میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ جو انگریزوں کے دورِحکومت میں نواب اور جاگیردار تھے یا اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ عوام کی حیثیت اس وقت ایسے سادہ لوح مسلمانوں کی تھی جو اپنے کھوئے ہوئے تشخص کو ازسرنو قائم کرنے کی خواہش لئے اُس آواز کے پیچھے غول درغول چل پڑنے پر مجبور تھے جو ان کے آگے چلنے والے بڑے طمطراق سے بلند کررہے تھے۔ اسلام کے نعرے سے زیادہ

ان بے چارے مسلمانوں کے لئے اور کس چیز میں کشش ہوسکتی تھی کیونکہ ان کا ایمان ہے کہ ان کے تمام دکھوں کا مداوا خالق کائنات اور محسن انسانیت ﷺ کے بتائے گئے زندگی کے اصولوں پر کاربند ہونے میں ہے۔ لیکن صدہا سال کے دور غلامی میں عام مسلمانوں کی اس نہج پر تربیت نہ ہوسکی بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ان سے یہ بات مخفی رکھی گئی کہ نبی آخرالزماں ﷺ کے بعد بیان کردہ اسلامی اصولوں کی پاسداری اجتماعی فریضہ ہے اور اس فریضہ کی بجا آوری کے لئے ہر ایک کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

قیام پاکستان کے بعد بھی ان سیاسی اور مذہبی قائدین نے اپنا یہ اولین فریضہ ادا کرنے کی ذمہ داری قبول نہ کی کہ مسلم عوام کو اپنا فریضہ زندگی ادا کرنے کے قابل بناتے اور ان میں عدل و انصاف اور انسانی فلاح و ترقی کی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر کا جذبہ پیدا کرتے۔ اس کے برعکس یہ عمائدین اپنی گدیوں کو مزید مضبوط کرنے اور ملک کے ذرائع پیداوار کو خود اپنے لئے دولت کے انبار لگانے کے لئے استعمال کرنے میں لگ گئے اور اسلام کے نام پر عوام کو دیئے گئے اپنے قول کی انہوں نے اپنے عمل سے تکذیب کردی۔ انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور عوام کو جہالت میں مبتلا کرنے اور انہیں سیاسی اختیار سے بے دخل کرنے میں صرف کردیا اور اسمبلیوں کو ملک کے ایک فیصد جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور ان کے حواریوں کے لئے وقف کردیا۔ ان اسمبلیوں میں پاکستان کے محروم و محکوم عوام کا داخلہ ناممکن بنادیا گیا اور انہیں مستقل طور پر اس مہیب فریب میں مبتلا کردیا گیا کہ یہی جاگیردار اور سرمایہ دار ان محنت کاروں اور غریب عوام کی نمائندگی کرسکتے ہیں اور ان کی ترقی و خوشحالی کے لئے کوشاں ہوسکتے ہیں۔

اب فیصلہ کرنا ہوگا کہ۔۔۔

اب پاکستانی قوم ایک ایسے دوراہے پر پہنچ چکی ہے کہ جہاں ہمیں دو واضح راستوں میں سے ایک راستے پر چلنے کا قطعی اعلان کرنا ہوگا۔

۱۔ ایک راستہ موجودہ فرسودہ سیاسی و انتخابی نظام اور روایتی جمہوریت پر پے درپے نقصان کے باوجود بھروسہ کرنا۔

۲۔ دوسرا راستہ سچی جمہوریت اور انسانی فلاح و بہبود کے اقرار کا راستہ۔

ہمیں اس موقع پر یہ بین فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمیں اقوام عالم میں پاکستانی قوم کی تذلیل اور پاکستان کے ننانوے فی صد محنت کار عوام کی ایک فیصد جاگیردار اور سرمایہ دار اقلیت کے ہاتھوں غلامی مطلوب ہے یا کہ پاکستانی قوم کی بے بہا مگر خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنا اور اسے ایک باعزت، باوقار، ترقی یافتہ اور خوشحال قوم بنانا مقصود ہے جس کا ہر ہر فرد بجا طور پر اس بات پر فخر کرسکے کہ وہ حقیقی جمہوری نظام کا حصہ ہے جس میں اختیارات و اقتدار حقیقی معنوں میں عوام الناس کو حاصل ہے۔

اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں اپنی پرانی طرز سیاست کو یکسر بدل ڈالنا ہوگا۔ قوم کی رہنمائی کا منصب آئندہ صرف ایسے افراد کے سپرد کرنا ہوگا جن کا تعلق لوٹ کھسوٹ اور قوم کے استحصال کے ذریعے قوت و حیثیت حاصل کئے ہوئے افراد سے نہ ہو، جو ان گروہوں سے تعلق نہ رکھتے ہوں جنہوں نے گذشتہ 67 برس میں قوم کی سیاسی زندگی کو مکدر کیا ہے اور جو ہمیشہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کس طرح قوم کی پیٹھ پر اپنے ظلم و تشدد اور جبر و استحصال کی کاٹھی جماسکتے ہیں۔

یہ کام اگر ہمیں کرنا ہے تو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ ہم اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے اندر چھپی ہوئی خودغرضی اور مفاد پرستی کو بے نقاب کریں اور ہر قسم کی منافقت اور زبانی جمع خرچ کو ترک کرکے اپنی ذات کو قومی مفاد اور وسیع تر انسانی فلاح کی خاطر بھرپور اجتماعی جدوجہد کے لئے وقف کردیں اور انسانی برادری کے ساتھ حقیقی محبت اور یگانگت کا جذبہ لے کر آگے بڑھیں۔ ہمیں اس

امر کا مکمل شعور حاصل کرنا ہوگا کہ سماج کی بہبود اور ترقی ہی میں فرد کی خوشحالی اور اس کا سکون مضمر ہے۔

ہمارا پاکستان اس کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ اسے گندی اور اشتعال انگیز سیاست کے خطرناک کھیل میں مبتلا کیا جائے۔ ہمارا پاکستان علم اور شعور کا پیاسا ہے، وہ سائنسی اور فنی ترقی کا خواہاں ہے، وہ اپنے دامن سے غربت و افلاس اور ظلم و ناانصافی کے دھبے دھو ڈالنا چاہتا ہے، وہ ایمان اور عمل کے تضاد کو ختم کردینا چاہتا ہے۔ وہ اپنے حدود میں رہنے والے ہر فرد کی زندگی سے (خواہ وہ کسی گروہ، نسل، مذہب اور فرقے سے تعلق رکھتا ہو اور کوئی سا بھی نظریہ رکھتا ہو) جہالت اور غربت کو دور کرنا چاہتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے اخلاق اور روحانیت کا امرت درکار ہے جو اس کی ترقی و خوشحالی کو دوام بخش سکے گا اور اسے غلط راہوں پر چل نکلنے سے باز رکھ سکے گا۔

پاکستان عوام میں پیدا ہونے والا شعور اور حالات کا بدلتا ہوا رخ صاف بتا رہا ہے کہ پاکستان سے اس فرسودہ سیاسی نظام کے کرپٹ محافظ اور ان کی معاون قوتیں پسپا ہوں گی، عوامِ پاکستان یقیناً غالب آئے گی اور ہمارا پاکستان دنیا میں سرخرو ہوگا۔

تکمیلِ پاکستان مگر کیونکر؟

پاکستان کا کیا بنے گا؟ یہ سوال زبان زد عام ہے لیکن کوئی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ آخر یہ سوال پیدا کیوں ہوا؟ کیا دنیا میں کوئی اور بھی ایسا ملک ہے جس کے رہنے والے اپنے وطن کے بارے میں اس قسم کا کوئی سوال ذہن میں لاتے ہوں؟

یہ صورت حال صرف ایسی قوم میں پیدا ہوا کرتی ہے جس میں قومیت اور وطنیت کا احساس مردہ ہوچکا ہو اور افراد قوم ذاتی خودغرضیوں میں مبتلا ہوچکے ہوں۔ قوم کو ایسے گھپ اندھیروں سے وہی اشخاص نکال سکتے ہیں جو وطن کی محبت سے سرشار ہوں اور جو اپنی انفرادیت کو اجتماعیت میں گم کردینے کے لئے آمادہ ہوں۔

حقیقی معنوں میں تکمیل پاکستان کے لئے ہمیں ایک مسلسل اور بھرپور جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا جس میں پوری قوم کا شریک ہونا ناگزیر ہے۔ یہ جدوجہد ہمیں اس واضح تصور کے ساتھ کرنا ہوگی کہ جمہوری قدروں کا احیاء اور ان کا فروغ ہی ہماری سیاست کا وہ بنیادی پتھر ہے جس کی بنیاد پر آئندہ کے تمام ترقی پسند اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں ظلم اور جہالت و تاریکی کی طاقتوں کے مقابلے میں بطور قوم سینہ سپر ہونا ہوگا۔۔۔ ہمیں بڑے پیمانے پر جہالت اور غربت و افلاس پیدا کرنے والی طاقتوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔۔۔ ہمیں جھوٹ، فریب، تعصب اور نفرت کی بنیاد پر کی جانے والی سیاست کو ختم کرنا ہوگا۔۔۔ ہمیں اجارہ دار، خودغرض اور غیر محبِّ وطن عناصر کو اپنے ملک کی سیاست سے بیدخل کرنا ہوگا۔۔۔ ہمیں یہاں کی سیاست کو ملک کے محنت کش اور نیک دل عوام کی مرضی کے تابع کرنا ہوگا۔۔۔ ہمیں پاکستانی عوام کے وقار کو، جو بری طرح مجروح ہوچکا ہے، بحال کرنا ہوگا اور ایک ایسی قوم کو وجود میں لانا ہوگا جو ہر قسم کے استحصال کے مقابلے میں سینہ سپر ہوسکے، جو ظالم سامراجی طاقتوں کے مقابلے میں مظلوم کی پشت پناہ ہو اور جو اپنے تہذیبی اور ثقافتی ورثوں کو دنیا کی دوسری اقوام کے ورثوں کے ساتھ شامل کرکے انسانیت کی ترقی کے لئے نئی راہوں کی نشاندہی کرسکے۔

بگڑتے ملکی حالات۔۔۔ ذمہ دار کون؟

ملک کے حالات مسلسل بگڑتے چلے جارہے ہیں۔ عوام کا حکومت کرنے کا جمہوری اختیار چھینا جاچکا ہے۔ شہری آزادیاں سلب کی جاچکی ہیں۔ حکومت پر قابض لوگ من مانی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ کمر توڑ مہنگائی مسلط کرکے عوام کی زندگی دوبھر کردی گئی ہے۔ ملک کی دولت کو فضول خرچیوں اور حاکمانہ ٹھاٹھ باٹھ پر ضائع کیا

جارہا ہے۔ ملک کی ہمہ جہتی پیداواری ترقی رک گئی ہے۔ ضروری اشیاء کی قیمتوں میں بے تحاشا اضافے نے تو قوم کی معاشی زندگی کا رخ قطعی طور پر تباہی کی جانب موڑ دیا ہے اور نئی نئی سماجی الجھنیں پیدا کردی ہیں۔

ان حالات میں یہ ضروری ہوگیا ہے کہ پاکستان کے مزدور اور کسان، متوسط طبقوں کے ذی ہوش افراد، عوامی دانشور اور قومی مفادات سے گہری وابستگی رکھنے والے صنعتکار اور تاجر حضرات اپنے ملک میں برپا ہونے والے سیاسی عمل کو بعض مخصوص افراد کے حوالے کئے رکھنے اور خود اس سے بے تعلق رہنے کی بجائے آگے بڑھیں اور عوامی قوت کو مضبوط و متحرک بنانے کی سنجیدہ اور بھرپور کوشش کریں۔ یہ کوشش تبھی بارآور ہوسکتی ہے جبکہ پہلے ہم چند باتیں اچھی طرح ذہن نشین کرلیں:

اول: بگڑتے معاشی حالات دراصل اسی بات کا نتیجہ ہیں کہ پاکستان کے حکمرانوں نے پاکستان کی معیشت کو سیاسی مفادات کے تابع کررکھا ہے۔ قومی دولت میں سے اپنا حصہ/کمیشن وصول کرنے اور عالمی مالیاتی اداروں کے مطالبات پورے کرتے رہنے کے لئے وہ ایسے اقدامات کرتے رہتے ہیں جس سے عوام پر معاشی بوجھ بڑھتا جاتا ہے۔

دوم: تمام اختیارات ایک خاندان اور ان ہی کے کاسہ لیسوں کے ہاتھوں میں دے دینے کی غلطی ملک کو یقینی طور پر تباہی و بربادی کی طرف لے جارہی ہے۔

سوم: اقتدار پر قبضہ جمانے کے بعد اس حکومت نے مسلسل ایسے اقدامات کئے ہیں جن کی وجہ سے ملک میں جمہوریت کی نشوونما رک گئی ہے۔ قومی اداروں کے امور میں بے جا مداخلت اور اپنی مرضی کے افراد کا اُن اداروں میں بطور سربراہ تعین ملک میں جمہوری اقدار کو مضبوط بنانے کے بجائے مزید کمزور کرنے کی سازش ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی موجودگی میں ملک کو مزید مدت کے لئے ایسے لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا جو قوم کو پے در پے مصائب و آلام میں مبتلا کرتے چلے جارہے ہیں۔ عوام کے لئے اب اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں رہ گیا ہے کہ وہ ملک کو اس آمرانہ جمہوریت سے نجات دلانے کے لئے موثر جدوجہد کریں۔

سیاسی و معاشی آزادی کی ناگزیریت

پاکستان ایک منفرد حیثیت کا ملک ہے۔ دنیا میں یہ واحد ملک ہے جو خالصتاً نظریہ کی بنیاد پر قائم ہوا ہے۔ اس نظریہ کا بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان کی فطری صلاحیتوں کے اظہار اور اس کی شخصیت کے نشوونما کے لئے مکمل سیاسی اور معاشی آزادی کا حاصل ہونا ناگزیر ہے۔ یعنی جب تک کوئی معاشرہ اپنے ہر ہر فرد کو اس بات کی ضمانت فراہم نہیں کرتا کہ بنیادی ضروریات زندگی حاصل کرنے کی جدوجہد میں اس کی راہ میں کسی قسم کی اجارہ داریاں حائل نہیں ہونے دی جائیں گی اور دوسروں کے مقابلے میں زندگی میں ترقی کرنے کے تمام مواقع اسے مساوی طور پر حاصل ہوں گے، اس وقت تک وہ معاشرہ ترقی کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

ایک ایسے نظریہ حیات پر مبنی نظام کے قیام کے لئے ضروری تھا کہ پاکستان میں ایک ایسا نظام حکومت قائم کیا جاتا جو اس بنیادی مسئلہ کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول کرتا کہ پاکستانی معاشرے کے افراد میں قیام پاکستان کے اعلیٰ مقاصد کے ساتھ لگن اور ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہوکر قدرت کی ودیعت کی گئی بہترین انسانی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی شدید تڑپ پیدا کی جائے۔ لیکن افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک ایسا نہیں ہوسکا۔ اس کوتاہی کی آخر کیا وجہ ہے؟ کیا اسلامی اقدار خالی خولی نعرے اور محض خیالی باتیں ہیں؟ کیا ہماری تاریخ میں اس کی عملداری کی درخشاں مثالوں کا وجود نہیں ہے؟ مثال کے طور پر حضرت عمرؓ کے اس تاریخی قول کو پیش کیا جاسکتا ہے کہ ''لوگو! اللہ نے مجھے اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ تمہاری دعاؤں کو خدا

تک پہنچنے سے روک دوں‘‘۔ (طبری) بظاہر عجیب سا دعویٰ معلوم ہوتا ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ حقیقت بن کر رہا۔

انہوں نے عظیم قربانیاں دے کر ایک ایسا نظام حکومت قائم کیا جس کے تحت رہنے والے افراد کی تمام احتیاجیں بخوبی پوری ہونے لگیں اور ان کی کوئی بھی معاشی ضرورت ایسی نہ رہی جس کے لئے انہیں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پیش آتی یا جس کی خاطر انہیں اپنے نظریات اور اپنی دینی قدروں کو چھوڑ کر کچھ دوسرے نظریات اور دوسری ہی قدروں کا سہارا لینا پڑتا۔

پاکستان میں ایک ایسے نظام حکومت کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ موجودہ فرسودہ سیاسی نظام ہے جس نے بڑی بڑی اجارہ داریوں کو جنم دے کر معاشرے کے ہر ہر فرد کو معاشی لحاظ سے خود کفیل بنانے کی بجائے قوم کی اکثریت کو بنیادی ضروریات زندگی سے بھی محروم کردیا ہے۔ اس نے ملکی دولت اور ذرائع و وسائل کو صرف چند ہاتھوں میں جمع کرکے ملک کی بیشتر آبادی کو محرومیوں سے دوچار کردیا ہے۔ اب ہمارے معاشرے کے افراد کا مقام اس کی علمی و عملی صلاحیتوں، اخلاقی برتری اور ذاتی کردار کی بجائے اس کے پاس موجود دولت اور سرمایہ کے پیمانوں سے متعین کیا جانے لگا ہے اور سوسائٹی میں اس کے مرتبے کا معیار روپیہ پیسہ بن گیا ہے، چاہے یہ روپیہ پیسہ دوسروں کا حق مار کر ہی کیوں نہ حاصل کیا گیا ہو۔

ہماری راہ کی ایک بڑی رکاوٹ ہمارے مذہبی رہنماؤں کی ’’بے راہ روی‘‘ بھی ہے۔ انہوں نے پاکستان کے عوام کو اسلام کی اصل روح اور اس کی انقلابی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی بجائے اس سے بے بہرہ رکھا اور امت کو ایک وحدت بنانے کی بجائے اسے بیشمار گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کرکے رکھ دیا۔ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ اور ہمارے صلحائے عظام کی وہ باتیں ہمیں بتانے سے گریز کیا جو ایک مسلم معاشرے کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں کو اجاگر کرنے والی تھیں اور جو ایک منصفانہ اور عادلانہ نظام کے قیام کا ذریعہ بن سکتی تھیں۔ وہ ان باتوں کو اچھالتے رہے جن کا تعلق فروعی مسائل یا جزوی اخلاق سے تھا اور جن کا اسلام سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس کے نتیجے میں ہماری قوم سرمایہ داروں کی معاشی غلامی میں مبتلا اور غیر پختہ افکار و نظریات کا شکار ہوکر اپنے آپ سے بیگانہ ہوگئی اور اپنے شاندار ماضی سے کٹ گئی۔

اجتماعی ضمیر کی بیداری کی ضرورت

کسی بھی معاشرے میں اس وقت تک تعاون اور اعتماد کی فضا پیدا نہیں ہوسکتی اور کوئی قوم اس وقت تک حقیقی طور پر ترقی نہیں کرسکتی جب تک کہ اس معاشرے میں معاشی انصاف اور معاشرتی عدل قائم نہ کردیا جائے۔ جب تک کسی قوم میں معاشی ناہمواری اور سماجی اونچ نیچ کو بڑی حد تک دور نہیں کیا جاتا اور لوگوں کی آمدنیوں میں فرق کو خاطر خواہ کم نہیں کیا جاتا۔ اس وقت تک نہ تو زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی ہوس اور معاشی دوڑ میں دوسروں کو پیچھے چھوڑ جانے کے رجحان کو کم کیا جاسکتا ہے اور نہ افراد قوم میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و اشتراک اور ایک دوسرے کے معاشی استحکام اور اخلاقی ترقی کے لئے ہاتھ بٹانے کے جذبہ ہی کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

معاشی و معاشرتی ناہمواری کا خاتمہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ قوم کا اجتماعی ضمیر انہیں رد کردینے کے لئے آمادہ ہوجائے اور قوم اجتماعی ارادے سے کام لیتے ہوئے اس ناانصافی کے خلاف اٹھ کھڑی ہو۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ کوئی بھی قوم خودبخود اور کسی قیادت کے بغیر میدان عمل میں نہیں اترا کرتی۔ اس کے لئے ایک ایسی قیادت کا میسر آنا ضروری ہوا کرتا ہے جو خود غرضی کے مرض میں مبتلا نہ ہو۔۔۔ جو اپنے ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دینے والے نہ ہو۔۔۔ جو انسان

دوست ہو اور قومی مقاصد کو اچھی طرح سمجھتی ہو۔۔۔ جس کے قول اور عمل میں واضح تضاد موجود نہ ہو۔۔۔ جو جان و مال، وقت اور آرام و آسائش کی قربانی دینے پر قدرت رکھتی ہو۔۔۔ جس میں صبر و تحمل اور سنجیدگی و بردباری کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔۔۔ جو قوم کے مختلف عناصر میں اختلاف اور نفرت و حقارت کے بیج بونے کی بجائے ان میں موجود اختلافات کی خلیج کو پاٹنے اور رفاقت و ہمدردی، محبت و یگانگت اور تعاون و اشتراک پیدا کرنے پر قادر ہو۔۔۔ جو قیادت یا حکومت کو مالی منفعت اور عزت و شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے اسے ایک اہم ذمہ داری اور اپنی نجات دارین کا ذریعہ جان کر خدا و خلق کے سامنے جوابدہی کے احساس کے ساتھ اور خدمت عوام کے جذبے سے کام کرسکتی ہو۔۔۔ جو عوامی خدمت کے اس میدان کو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے کچھ حاصل کرنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے جو کچھ اس کے پاس موجود ہو اسے بھی اس راہ میں صرف کردینے کی ہمت رکھتی ہو۔۔۔ اور جسے اس بات کا کامل شعور حاصل ہو کہ ان کی اپنی بھلائی کی ضمانت دوسروں پر خرچ کرنے اور ان کی خاطر قربانی دینے ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

واضح اصول وقوانین

ہمیں واضح اصول مرتب کرنے ہوں گے جن کی پابندی ہر اس شخص کے لئے لازم قرار دی جانی چاہئے جو عوامی قیادت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرے۔ مثلاً

☆ ہمیں اس اصول کو قومی سطح پر اپنانا ہوگا کہ ہر شخص کے سپرد وہی کام کیا جائے جس کا وہ اہل ہے۔ نااہل کو اہل تر پر ترجیح دینے کو قوم سے غداری قرار دیا جائے اور پوری قوم میں اس جذبے کی پرورش کی جائے کہ ہر شخص خود اپنے اندر بہتر سے بہتر صلاحیتیں ابھارنے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے بہترین افراد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر آگے لائے اور ان کی طرف اپنا دست تعاون بڑھائے۔

☆ قوم کو اقتدار کی جنگ کا تماشا خاموش تماشائیوں کی طرح دیکھنے کا مشغلہ اب ترک کردینا ہوگا۔ اسے اپنے قائدین کا اس لحاظ سے جائزہ لینا ہوگا کہ ان میں کون ایسا ہے جو عوام کی حقیقی خدمت میں مصروف ہے اور کون ہے جو محض لیڈر بننے کی شوق میں دیوانہ ہورہا ہے اور اس غرض سے اپنے پاس نہ جانے کس کس طرح جمع شدہ دولت کو بے دریغ لٹاتے ہوئے اصول و نظریات کو بالائے طاق رکھ کر اپنے سے اہل تر افراد کو پیچھے دھکیل رہا ہے اور خود آگے بڑھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

☆ ہر سیاسی قائد عوامی خدمت کے میدان میں قدم رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے پاس موجود اثاثوں کا اعلان کرے تاکہ لوگوں کو معلوم ہوسکے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کمی ہورہی ہے یا اضافہ اور اگر کچھ اضافہ ہوا ہے تو وہ کہاں تک جائز اور مناسب ہے۔

☆ یہ باطل تصور بھی یکسر بدل دینا ہوگا کہ حکومت کا کاروبار چلانے والے حاکم ہیں اور عوام (جو ان کے ہاتھ میں حکومت کو اختیار دیتے ہیں) محکوم ہیں۔

☆ یہ اصول اپنانا ہوگا کہ حکومت کا اختیار ایک بہت بڑی ذمہ داری اور عوام کی طرف سے اس کے ہاتھوں میں ایک امانت ہے۔ حکومت کرنے والے کی حیثیت حاکم کی نہیں بلکہ ایک منتظم کی ہے۔ وہ حکومت کے اختیارات کے استعمال کے بارے میں عوام کے سامنے جوابدہ ہے اور یہ جوابدہی مسلمہ جمہوری اصولوں کے مطابق عوامی اداروں اور عوامی احتساب کے ذریعے مسلسل ہوتی رہے گی۔

اگر ہمیں پاکستان کو ایک مثالی فلاحی مملکت بنانا ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں کوئی قابل رشک کردار ادا کرنا ہے تو پھر ان اصولوں کو اپنائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

دہشت گردی اور غربت کا سبب

بیڈ گورننس

عین الحق بغدادی

پاکستان میں ہر آئے روز ہونے والی دہشت گردی کے واقعات نے پوری قوم کو خوف اور دہشت سے دوچار کردیا ہے۔ سانحہ پشاور کے بعد وہ بڑے بڑے سیاسی شعبدہ باز اور دہشت گردی کے سہولت کار جن کی زبانیں ''دہشت گردوں سے مذاکرات'' کے بیانات دینے سے نہیں رکتی تھیں اب اُن کی زبانوں کو بھی قفل لگ گئے ہیں اور اُن کے پاس بھی دہشت گردوں کو ''تحفظ'' دینے کا کوئی جواز نہیں بچا۔ پاکستان پچھلے بارہ سالوں میں تقریباً 60ہزار جانیں دہشت گردی کی نذر کرچکا ہے۔مگر افسوس کہ حکومتی سطح پر آج تک دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے کوئی واضح پالیسی میسر نہیں آسکی۔ سانحہ پشاور کے بعد حکومت نے فوج کے دباؤ کی وجہ سے دہشت گردی کے خاتمے کے لئے قومی ایکشن پلان تو دیا مگر آج 2 ماہ گزرنے کے باوجود اس پر کماحقہٗ عمل نہ ہوسکا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دہشت گردی کے ناسور کو ختم کرنے کے لئے فوجی آپریشن کے ساتھ ساتھ حکومتی سطح پر سیاسی اقدامات بھی ناگزیر ہوتے ہیں۔

بدقسمتی سے پاکستان کے حکمران ان دہشت گردوں کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، اسی وجہ سے وہ دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے کوئی واضح پالیسی آج تک نہیں دے سکے اور اگر کسی طرف سے کچھ ٹھوس تجاویز آ بھی جائیں تو اُن پر عمل کرنے میں وہ روایتی ہٹ دھرمی اور لیت ولعل سے کام لیتے ہوئے معاملات کو التواء کا شکار کردیتے ہیں۔ حکومت کی ''دانشمندی اور بصیرت'' کا تو یہ عالم ہے کہ دہشت گردی کے خلاف دیئے جانے والے قومی ایکشن پلان کی وہ شقیں جن پر فوری عملدرآمد نہایت ناگزیر تھا، اُن شقوں کو بحث ومباحثہ کی نذر کرتے ہوئے اب تک موخر کررکھا ہے اور مساجد سے لاوڈ سپیکر اتار کر یہ سمجھا جارہا ہے کہ دہشت گردی کا بڑا سبب ہی یہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مذہبی رہنماؤں اور اُن کے پیروکاروں نے مساجد کو اپنے نام نہاد نظریات و افکار کے فروغ کے لئے بے دریغ استعمال کیا مگر حکومتی کارندے اکثر اُن مساجد کے لاؤڈ سپیکرز اتروارہے ہیں جہاں سے دہشت گردی کے خلاف آواز اٹھتی ہے۔ لہذا یہ کہنا بالکل بے جانہ ہوگا کہ موجودہ حکمران دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے کوئی موثر قدم اٹھانے میں یکسر ناکام ہوچکے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ان حکمرانوں میں اتنی اہلیت وصلاحیت ہی موجود نہیں کہ وہ اس اہم اور حساس معاملہ سے کماحقہ نبرد آزما ہوسکیں۔

☆ کیا وجہ کہ ہم اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت میں ناکام ہوگئے۔۔۔؟ کیا وجہ ہے کہ افلاس، بھوک، قحط اور مہلک

امراض ہمارے ملک میں عرصہ دراز سے ڈیرہ جمائے ہوئے ہے؟ جو دہشت گردی سے بچ جائیں تو وہ حکمرانوں کی معاشی دہشت گردی کا شکار ہوجاتے ہیں۔عوام کی اکثریت دو وقت کی روٹی،تعلیم،علاج معالجہ اور دیگر بنیادی سہولتوں سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ معاشی دہشت گردی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اقوامِ متحدہ کے ایک سروے کے مطابق عام پاکستانی خاندان کی کل آمدن کا 50 فیصد حصہ خوراک پر خرچ ہوتا ہے جس کی وجہ کم آمدن اور مہنگی خوراک ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح 7.6 فیصد ہے۔ ہندوستان (دنیا کی چالیس فیصد بھوک پالنے والا ملک) میں عام خاندان اپنی اوسط آمدن کا25 فیصد خوراک پر خرچ کرتا ہے۔ اس سے ہمارے حکمرانوں کی اہلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔حکومت کے اپنے غذائی سروے کے مطابق 60 فیصد آبادی غذائی عدم استحکام کا شکار ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیروزگاری،لوڈشیڈنگ اور مہنگائی بڑھ رہی ہے، اگر اس سلسلہ میں کوئی واضح پالیسی نہ اپنائی گئی تو خدانخواستہ آنے والے چند سالوں میں ملک قحط سالی کا شکار بھی ہوسکتا ہے۔

قومی غذائی سروے میں کہا گیا ہے کہ پانچ سال سے کم عمر کے 44 فیصد بچے ذہنی اور جسمانی طور پر نامکمل نشوونما کا شکار ہیں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی اموات میں سے 35 فیصد اموات براہِ راست غذائی قلت کی وجہ سے ہے۔ پاکستان میں صرف 3 فیصد بچوں کو غذائی ضروریات کے مطابق خوراک ملتی ہے۔ایشیائی ترقیاتی بینک کے مطابق پاکستان میں گذشتہ چند سالوں میں مہنگائی نے مزید 34 لاکھ افراد کو خطِ غربت سے نیچے دھکیل دیا ہے۔14-2013ء کا معاشی سروے پیش کرتے ہوئے وفاقی وزیرخزانہ اسحاق ڈار نے خود اعتراف کیا ہے کہ پاکستان کی نصف سے زائد آبادی اس وقت خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے۔

☆ انسانیت کی بقا کے لیے دوسری اہم ضرورت پانی ہے۔مملکتِ خداداد پاکستان میں پینے کا صاف پانی بھی حکومت کی نااہلیوں کے سبب عام آدمی کو میسر نہیں۔2001 تا 2010ء کے درمیان ایک سروے کے مطابق پاکستان کی 80 فیصد آبادی بیکٹیریا، آرسینک، نائٹریٹ اور سلفر ملا پانی پینے پر مجبور ہے۔ ملک میں 40 فیصد اموات کی وجہ آلودہ پانی ہے۔ 80 فیصد بیماریوں کی وجہ گندا پانی ہے۔بچوں میں 60 فیصد اموات گندے پانی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔پچھلے 67 سالوں میں عوام کے ان فرمانبردار اور خادم حکمرانوں نے اس حوالے سے کوئی پالیسی سرے سے ہی وضع نہیں کی۔ زمین میں واٹر لیول ہر سال دس فیصد نیچے گر رہا ہے، اگر یہی صورتحال رہی تو آئندہ آنے والے سالوں میں پانی کی قلت کا سامنا بھی کرنا پڑسکتا ہے۔مگر افسوس خوراک کی طرح ہمارے حکمرانوں نے پانی کے بحران سے نبرد آزما ہونے اور صاف پانی کی فراہمی کے لئے بھی کوئی قابل ذکر اقدامات نہیں کئے۔حتیٰ کہ پنجاب کے خشک ترین علاقے چولستان میں حکومتِ پنجاب نے 5 سالوں میں پانی کا ایک بھی منصوبہ شروع نہیں کیا۔

☆ خوراک اور پانی کے بعد آیئے اب انسان کی تیسری بڑی ضرورت رہائش، مکان کے حوالے سے حکومتی ''اقدامات'' پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

پنجاب حکومت نے آشیانہ ہاؤسنگ منصوبے کا اعلان کررکھا ہے مگر یہ منصوبہ بھی ڈھونگ اور کرپشن کا میگا پروگرام ثابت ہوا۔عوام کے خون پسینے کے ٹیکسوں کی کمائی لوٹ مار کی نظر ہورہی ہے۔ پنجاب حکومت کم آمدنی والے

شہریوں کو سستے گھر دینے کا چکمہ دیکر فارم فروخت کر کے اب تک کروڑوں روپیہ وصول کر چکی ہے جس کا کوئی حساب نہیں اور 3 سال سے آشیانہ کے نام پر سیاست چمکانے کے باوجود چند سو گھر بھی تیار نہیں ہو سکے۔ فارم کی فروخت سے حاصل ہونیوالے کروڑوں روپے صوبہ کا وزیراعلیٰ اپنی ذاتی تشہیر پر خرچ کر رہا ہے۔ اب پھر 60 ہزار شہریوں سے درخواست کے نام پر پیسے بٹور لیے گئے۔

پنجاب میں ہر بے گھر کو گھر دینے کیلئے ہر سال اگر 4 لاکھ گھر دیئے جائیں تو 15 سال میں 70 فیصد کم آمدنی والے بے گھر خاندانوں کو گھر مل سکیں گے جبکہ پنجاب حکومت تمام ترنجی و سرکاری وسائل بروئے کار لانے کے باوجود اب تک چند سو گھر بھی تعمیر کر کے نہیں دے سکی۔ 6ماہ قبل آشیانہ اقبال روڈ برکی (لاہور) کے ٹینڈرز میں وسیع پیمانے پر گھپلے سامنے آئے، ان گھپلوں کی انکوائری کرنے والے ڈی جی اینٹی کرپشن کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتے ہوئے او ایس ڈی بنا دیا گیا کیونکہ اس میں اہم حکومتی افراد کے نام آرہے تھے اور آشیانہ میں بے ضابطگیوں کی نشاندہی کرنے والے ایک رکن اسمبلی کو بھی پراجیکٹ سے الگ کر دیا گیا۔

☆ اسی طرح پنجاب حکومت کا گرین پنجاب پروگرام بھی ایک ڈھونگ منصوبہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ 2008ء تک پنجاب میں دیہات میں فارم ٹو مارکیٹ روڈز کی شکل میں 100 ارب روپے کی مالیت سے 37 ہزار کلومیٹر سڑکوں کا انفراسٹرکچر موجود تھا۔ ان سڑکوں کی حفاظت کیلئے ہر تین سال بعد مرمت ضروری تھی اور مرمت کیلئے خزانے سے ہر 3 سال بعد 38 ہزار روپیہ فی کلومیٹر مرمتی فنڈ بھی جاری ہوا جو مسلسل 6 سال خرچ نہیں کیا گیا۔ اگر 6 سالوں میں ہر تین سال بعد ڈیڑھ ارب روپیہ ان فارم ٹو مارکیٹ روڈز کی مرمت کے لیے استعمال کر لیا جاتا تو آج 100 ارب روپے مالیت کا انفراسٹرکچر برباد نہ ہوتا۔ پنجاب حکومت اپنے اس مجرمانہ کردار پر پردہ ڈالنے اور دیہات میں ن لیگ کی حکومت کے خلاف پیدا ہونے والی نفرت پر قابو پانے کیلئے گرین پنجاب پروگرام کے نام سے منصوبہ شروع کر رہی ہے۔ اگر پنجاب حکومت اپنے اقتدار کے بقیہ تین سال ہر سال 15 ارب روپے ان سڑکوں کی مرمت اور تعمیر پر خرچ کرے تو تین سال میں 45 ارب روپے کی خطیر رقم سے صرف 45 فیصد انفراسٹرکچر بحال کر سکے گی۔

فارم ٹو مارکیٹ روڈز جنہیں تکنیکی اصطلاح میں ''ٹرپل سرفیس ٹریٹمنٹ'' روڈز کہا جاتا ہے اس مد میں 6 سالوں میں خزانے سے جاری ہونے والی 3 ارب روپے کی رقم ہڑپ کر لی گئی جس کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہے اور اب اپنے اس مجرمانہ عمل پر پردہ ڈالنے کیلئے پنجاب حکومت نے گرین پنجاب پروگرام کے نام سے ڈھونگ منصوبے کا اعلان کیا ہے۔ پنجاب حکومت کی ساری توجہ لاہور میٹروبس روڈ، رائے ونڈ روڈ لاہور رنگ روڈ لاہور اور آزادی چوک لاہور، راولپنڈی میٹرو روڈ تک محدود ہے جس کی وجہ سے 70 فیصد ''دیہاتی پنجاب'' کھنڈر کا منظر پیش کر رہا ہے۔

ان حالات و واقعات کی روشنی میں یہ کہنا قطعاً غلط نہیں کہ نہ صرف دہشت گردی بلکہ غربت کے خاتمے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خود حکومت، اس کی غلط پالیسیاں اور غلط انداز حکمرانی ہے۔ حکومت کے ان رویوں اور منفی رجحانات کو قطعاً حقیقی جمہوریت کا لبادہ نہیں پہنایا جاسکتا۔

دربارغوثیہ (مچھ، بلوچستان) اور اولیاء اللہ کے مزارات پر دہشت گردانہ حملوں کے خلاف پاکستان عوامی تحریک وتحریک منہاج القرآن کا مختلف شہروں میں احتجاجی مظاہرہ

پاکستان عوامی تحریک اورتحریک منہاج القرآن کے زیراہتمام اولیاء اللہ کے مزارات پر بڑھتے ہوئے دہشت گردانہ حملے بالخصوص خانقاہ حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی رحمۃ اللہ علیہ (دربارغوثیہ مچھ بلوچستان) پر دہشت گردوں کے حملہ کے خلاف پورے ملک میں احتجاجی مظاہرے کئے گئے۔ لاہور میں 12 فروری2015ء کومنعقدہ احتجاجی مظاہرے میں پاکستان عوامی تحریک وتحریک منہاج القرآن کے قائدین، بزم قادریہ سمیت مختلف مذہبی، سیاسی تنظیموں کے علاوہ جید علماء ومشائخ عظام نے شرکت کی۔عوام الناس کی کثیر تعداد نے بینرز اور پلے کارڈز اٹھا رکھے تھے جن پر حملے کی مذمت، حملہ آوروں کی گرفتاری اورمزارات کے تحفظ کے نعرے درج تھے۔

پاکستان عوامی تحریک لاہور کے صدرمحترم چوہدری افضل گجر نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضور پیرسیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربارغوثیہ بلوچستان میں دہشت گردی کے حملے کی شدید مذمت کرتے ہیں۔موجودہ حکومت کے دور میں اولیاء کرام کے مزارات اور امن وآشتی کا پیغام عام کرنے والی خانقاہیں مسلسل دہشت گردی کی زد پر ہیں اورحکومت مزارات کوسیکیورٹی فراہم کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہے۔حکمران ایمپلی فائر ایکٹ کا سیاسی استعمال کرتے ہوئے ان مساجد اور درسگاہوں کونشانہ بنا رہے ہیں جہاں سے دہشت گردی کے خلاف آواز بلند ہوتی ہے۔ ایمپلی فائر ایکٹ کے نام پر ان علماء کے خلاف انتقامی کارروائیاں کی جا رہی ہیں جو پہلے ہی دہشت گردی کے خلاف ہیں۔ان ہتھکنڈوں سے حکمران دہشت گردی کے خلاف قومی ایکشن پلان کو ناکام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اوراپنی ان حرکتوں سے دہشت گردی کوتقویت دے رہے ہیں۔

تحریک منہاج القرآن لاہور کے ناظم محترم حافظ غلام فرید نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان ظالم حکمرانوں کے دور میں حضرت داتا علی ہجویریؒ، حضرت بابا فریدؒ، عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزارات سمیت مساجد، مدرسے، امام بارگاہیں، سکول، ہسپتال اور جید علمائے کرام دہشت گردی کا نشانہ بنے، مگرکسی ایک واقعہ کا دہشت گردنہیں پکڑا گیا۔ دنیائے اسلام کے اہم علمی وتحقیقی مرکزادارہ منہاج القرآن میں بھی دہشت گردحکمرانوں نے خون کی ندیاں بہا کر دہشت گردوں کے ایجنڈے کو پورا کیا۔ ہم وفاق، بلوچستان اور پنجاب کی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اولیائے اللہ کے مزارات کی سیکیورٹی کوفول پروف بنائے اورحضور پیرسیدنا طاہر علاؤ الدین کی خانقاہ پرحملہ کرنے والے دہشت گردوں کوگرفتار کر کے عبرت ناک سزا دی جائے۔

آرگنائزر بزم قادریہ محترم شہزاد رسول نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج کے اس احتجاجی مظاہرے میں شریک ہرشخص امن وسلامتی کا پیامبر بن کرآیا ہے۔ اگر اولیاء اللہ کے مزارات کی بے حرمتی کو نہ روکا گیا اور دہشت گردوں کو نہ پکڑا گیا تو جلد ہی عظمت صوفیاء کے پاسبان بن کر پورے ملک میں سڑکوں پرنکلیں گے۔ دربارغوثیہ پرحملہ ملکی تاریخ کا سیاہ باب ہے اور دہشت گردوں کوکھلی چھٹی دینے والے قومی مجرم ہیں۔صوفیاء کرام کروڑوں دلوں میں بستے ہیں انکی

حرمت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والے نیست و نابود ہو جائیں گے۔

احتجاجی مظاہرہ سے خصوصی خطاب کرتے ہوئے مرکزی صدر ڈاکٹر رحیق عباسی نے کہا کہ ایک منظّم منصوبہ بندی کے تحت اولیاء اللہ کے مزارات اور ائمہ مساجد اور خطباء کے خلاف حکومت کارروائیاں کر رہی ہے اور حکمرانوں کے ایما پر پولیس یہ تاثر پھیلا رہی ہے کہ یہ سب کچھ فوج کی خواہش پر کیا جا رہا ہے۔ ہم فوج کی قیادت سے کہتے ہیں کہ وہ حکمرانوں کی اس سازش پر نظر رکھیں۔ ایسی کارروائیوں سے عوام میں اشتعال پیدا ہو رہا ہے اور اس سے قومی ایکشن پلان کو نقصان پہنچے گا، وفاقی اور بلوچستان کی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی رحمہ اللہ علیہ کی خانقاہ پر حملہ کرنے والے دہشت گردوں کے ساتھ ساتھ حضرت داتا علی ہجویریؒ، عبد اللہ شاہ غازیؒ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے مزارات پر دہشت گردی کرنے والوں کو بھی گرفتار کرے۔

مرکزی اور بلوچستان حکومت دہشت گردی کی سفاک کارروائی کے ذمہ دار ہیں۔ دربار غوثیہ مچھ پر حملہ پاکستان کی تاریخ کا سیاہ باب ہے اور دہشت گردوں کو کھلی چھٹی دینے والے قومی مجرم ہیں۔ دربار شریف کو نظر آتش کرنے، قرآنی اوراق کی بے حرمتی اور خادم کو زخمی کرنے والے قومی مجرم ہیں، وہ زیادہ دیر اپنی بزدلانہ کارروائیوں کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔

تحریک منہاج القرآن انٹرفیتھ ریلیشنز اور نولکھا پریس بیٹرین چرچ کے زیر اہتمام
''احترام مذاہب سیمینار''

تحریک منہاج القرآن انٹر فیتھ ریلیشنز اور نولکھا پریس بیٹرین چرچ کے زیر اہتمام 4 فروری 2015ء کو ''احترام مذاہب سیمینار'' منعقد ہوا۔ جس میں مسلم، مسیحی، ہندو اور سکھ رہنماؤں نے شرکت کی۔ سیمینار کی صدارت پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی صدر محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی نے کی۔ سیمینار میں صوبائی وزیر برائے اقلیتی امور محترم طاہر خلیل سندھو، مسیحی رہنما محترم ریورنڈ ڈاکٹر مجید ایبل، محترم سردار بشن سنگھ، محترم سہیل احمد رضا، محترم پنڈت بھگت لال، محترم پادری عمانویل کھوکھر، محترم پادری شاہد معراج، محترم پیر عثمان نوری، محترم مولانا زبیر احمد، محترم مولانا اعجاز احمد، محترم حافظ محمد نعمان، محترم جاوید ولیم، محترم انور گوندل و دیگر سیاسی و مذہبی جماعتوں کے قائدین نے بھی شرکت کی۔

سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے محترم ڈاکٹر مجید ایبل نے کہا کہ بدی کی قوتیں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو آپس میں لڑانا چاہتی ہیں لیکن وہ شرمندہ ہوں گی۔ ایسے سیمینارز کا انعقاد نفرتوں کو ختم کر کے محبت کے رویوں کو فروغ دینے کیلئے ہیں۔ گستاخانہ خاکے شائع کرنے والوں کا کوئی مذہب نہیں، وہ شیطان کے نمائندہ ہیں ان پر دہشت گردی کا مقدمہ ہونا چاہیے۔

ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلشنز منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم سہیل احمد رضا نے کہا کہ گستاخانہ خاکے شائع کرنے والے انسانیت کے دشمن اور انتہا پسند طبقے کے نمائندے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات امن اور محبت پر قائم ہیں، اس لئے انکا کوئی بھی پیروکار ایسی مذموم حرکت نہیں کر سکتا، گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف پاپائے اعظم پوپ

فرانسس کے اظہار یکجہتی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

محترم سردار بشن سنگھ نے کہا کہ سکھ برادری گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کی بھر پور مذمت کرتی ہے، اس شرمناک واقعہ کا جواب تمام مذاہب کو یکجہتی کے ساتھ دینا ہوگا۔ ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب امن ومحبت کا دوسرا نام ہے، ہم انکی کاشوں کی دل سے قدر کرتے ہیں۔

صوبائی وزیر برائے اقلیتی امور محترم طاہر خلیل سندھو نے کہا کہ چند شر پسند کبھی بھی دنیا کا امن تباہ نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر طاہرالقادری تہذیبوں کے ٹکراؤ کے خلاف کام کر رہے ہیں ہم انکی جدوجہد کی قدر کرتے ہیں۔

محترم شاہد معراج نے کہا کہ مکالمہ اچھا عمل ہے، عالمی قوانین کی خلاف ورزی کرنیوالے شر پسندوں کے خلاف کارروائی ہونی چاہیے۔

محترم پنڈت بھگت لال نے کہا کہ کوئی شک نہیں کہ ڈائیلاگ ہی مسئلے کا حل ہوا کرتے ہیں۔ حکومت فرانس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسے قبیح فعل میں ملوث عناصر کو فوری گرفتار کرے۔ فرانس حکومت کیلئے ایسے عناصر کا آزاد گھومنا سوالیہ نشان ہیں۔

سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی نے کہا کہ فرانس میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کا مذموم عمل بین الاقوامی سطح پر اس حوالے سے قانون سازی کا تقاضا کرتا ہے، تاکہ انبیائے کرام اور الوہی کتابوں کا تقدس پامال کرنے کی کوئی جرات نہ کر سکے۔ حکومت پاکستان عوامی تحریک کے قائد ڈاکٹر طاہرالقادری کے عالمی رہنماؤں کو لکھے گئے مراسلے سے رہنمائی لے کر اس معاملے پر متحرک کردار جرأت کے ساتھ کردار ادا کرے۔ مذاہب کے درمیان نفرت پھیلانے والے بدترین لوگ ہیں۔ گستاخانہ خاکے شائع کرنے والوں نے جو مذموم عمل کیا ہے اس پر تمام مذاہب کے رہنما سراپا احتجاج ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف عالمی عدالت انصاف میں مقدمہ چلایا جائے۔ ایسے شر پسند لوگ امن

عالم کیلئے کی جانیوالی کوششوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

احترام مذاہب سیمینار کے شرکاء نے متفقہ طور پر دہشت گردی کے خاتمے، انتہا پسندی اور گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کو تمام مذاہب کے خلاف سازش قرار دیا اور اس گھناؤنے عمل کو پوری دنیا کے امن کو تباہ کرنے کے مترادف قرار دیا۔

محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا دورہ جنوبی پنجاب

گذشتہ ماہ محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے صدر PAT محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی اور دیگر مرکزی قائدین کے ہمراہ جنوبی پنجاب کا دورہ کیا۔ اپنے اس دورہ کا آغاز انہوں نے رحیم یار خان سے کیا۔ جہاں ایک عظیم الشان ورکرز کنونشن ہوا جس میں محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے خصوصی گفتگو کی۔ بعد ازاں آپ نے اسلامک سنٹر کا دورہ کیا اور ورکرز سے ملاقات کی۔

رحیم یار خان اور اس سے ملحقہ علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد آپ کوٹ مٹھن شریف تشریف لے گئے جہاں آپ نے عظیم صوفی بزرگ حضرت خواجہ غلام فرید رحمہ اللہ علیہ کے سالانہ عرس کے موقع پر منعقدہ قومی امن کانفرنس میں خصوصی شرکت کی۔ اس موقع پر آپ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ صوفیائے کرام نے ہمیشہ قرآن وسنت سے امن وآشتی کے پیغام کو اپنے کردار سے بیان کیا۔ آج کے موجودہ ملکی حالات کو بہتر کرنے کے لئے صوفیاء کرام کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ جس طرح صوفیاء کرام نے اپنے اخلاق وکردار سے دنیا میں اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ اسی طرح اس مظلوم، غریب اور بے بس عوام کو ظالموں سے نجات دلانے کے لئے ایک بار پھر رسم شبیری ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ موجودہ سیاسی لیڈرشپ کے قول وفعل کے تضاد اور ظاہری دنیاوی طاقت کو ہر قیمت پر مٹھی میں بند رکھنے کی منفی سوچ نے پاکستان کو ایک معتدل اسلامی اور انسانی معاشرے کے طور پر پنپنے نہیں دیا۔ قوم نے دہشت گردوں کے بہت زخم کھائے مگر حکمرانوں کے ہاتھ مرہم رکھنے کیلئے نہیں بڑھے۔ دہشت گردی کے خلاف لڑنے والوں سے حکمران لڑیں گے تو دہشت گردی ختم نہیں ہوگی۔ موجودہ حالات میں ہم قائد انقلاب کی زیر قیادت پرامن مصطفوی انقلاب کی جدوجہد سے دہشت گردی اور ظلمت کا خاتمہ کریں گے۔

انہوں نے مستقبل کے معمار نوجوانوں سے کہا کہ ان کو علمی وفکری انقلاب کے لئے جدوجہد تیز کرنی ہوگی۔ اقبال کے یہ شاہین ہر نقش کہن کو مٹائیں گے اور ایک جدید اسلامی فلاحی پاکستان کی داغ بیل ڈالیں گے۔ اگر عالم اسلام اپنے وسائل اور دنیاوی طاقت کے مطابق علم اور تحقیق کی سطح پر اپنا عالمی کردار ادا کر رہا ہوتا تو کسی کو توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کی جرات نہ ہوتی۔ عالم اسلام بالخصوص پاکستان کی ترقی کا راستہ صرف اور صرف علم کا حصول ہے۔

اس موقع پر آپ نے تصوف کے حوالے سے بھی نہایت علمی و روحانی نکات بیان فرمائے۔ اس کانفرنس میں موجود سینکڑوں علماء ومشائخ نے محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کے خطاب کو سراہتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کیا۔

محترم پیر پگارو کے فرزند محترم پیر سید محمد عثمان راشدی کی تحریک منہاج القرآن میں شمولیت

گذشتہ ماہ تحریک منہاج القرآن سندھ کے امیر محترم مخدوم ندیم احمد ہاشمی کے تنظیمی دورے میر پور خاص گئے۔ آپ نے وہاں مختلف سرکردہ شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ اس موقع پر سندھ کی معروف شخصیت محترم پیر پگارو کے فرزند محترم پیر سید محمد عثمان راشدی نے تحریک منہاج القرآن میں شمولیت کا اعلان کیا۔ اس موقع پر ممتاز علی سیال نائب صدر پاکستان عوامی تحریک سندھ، خالد بابا ضلعی صدر پاکستان عوامی تحریک میر پور خاص، علامہ غلام حسین خاص خیلی عبدالستار چوھان، حاجی

چراغ الدین ملک اور معززین علاقہ نے خصوصی شرکت کی۔

منہاج یورپین کونسل کی تنظیم نو

منہاج القرآن انٹرنیشنل کی یورپین ممالک میں موجود تنظیمات کی نگران باڈی منہاج یورپین کونسل کا 2 سالہ دورانیہ مکمل ہونے پر منہاج القرآن انٹرنیشنل کی مرکزی قیادت کی طرف سے سال 2015 تا 2017ء کے لئے درج ذیل نئی ٹیم کا انتخاب عمل میں لایا گیا:

صدر: محترم اعجاز احمد وڑائچ (ناروے)، سیکرٹری جنرل: محترم بلال اپل (ڈنمارک)، سینئر نائب صدر: محترم چودھری اقبال وڑائچ (اٹلی)، نائب صدر: محترم ظل حسن قادری (سپین)، نائب صدر: محترم حاجی محمد اسلم (فرانس)، جوائنٹ سیکرٹری: محترم قاضی محمد ہارون (فرانس)، سیکرٹری میڈیا: محترم افضال مرزا (اٹلی)، صدر منہاج سکالر فورم: محترم علامہ نور احمد نور (ناروے)، سیکرٹری جنرل منہاج سکالر فورمز: محترم علامہ عبدالستار سراج (ڈنمارک)، ایگزیکٹو ممبرز: محمد اقبال چوہدری، محمد افضل انصاری (ناروے) ساجد محمود (اٹلی)

☆منہاج پیس اینڈ انٹیگریشن (مصالحتی کونسل)۔۔۔صدر: محمد اقبال شاہ (اٹلی) سیکرٹری جنرل: قیصر نجیب (ڈنمارک)

☆منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن۔۔۔۔۔صدر: حافظ محمد اقبال اعظم (فرانس)، سیکرٹری جنرل: حاجی ارشد جاوید (اٹلی)

☆منہاج ویمن لیگ/ منہاج سسٹر لیگ۔۔۔۔صدر: سمیرا رفاقت (بیلجیم)، سیکرٹری جنرل: طاہرہ فردوس (ناروے)

☆منہاج یوتھ لیگ۔۔۔۔۔صدر: چن نصیب، سیکرٹری جنرل: محمد عمر مرزا (ہالینڈ)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کی اسلام کے علمی و عملی، اخلاقی، روحانی، تعلیمی، معاشی
اقتصادی، سائنسی، فقہی، قانونی، انقلابی، فکری اور عصری
موضوعات پر **470** سے زائد کتب

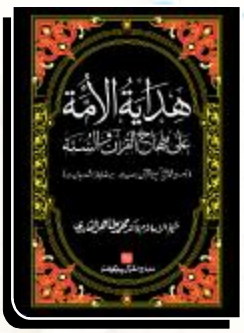

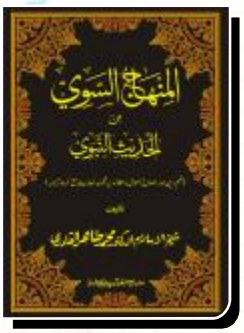

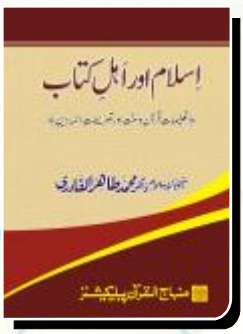

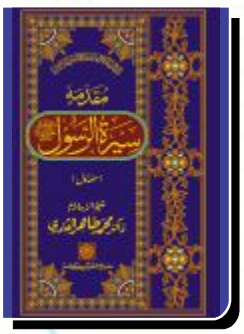

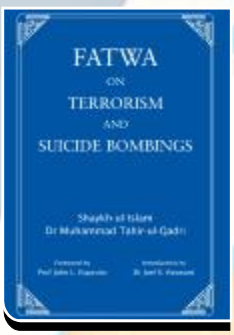

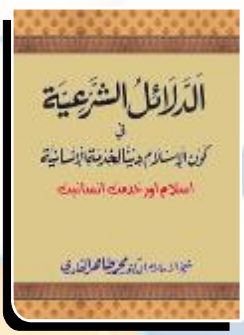

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
LAHORE
Regd CPL No.41

Minhaj Grammar School

(Girls Campus)

English/Urdu Medium

- Trained Staff
- Creative Development
- Learning Environment
- Hostel Facility
- Playground
- Free Study Period
- Computer Lab
- Science Lab
- Library
- Generator Facility
- Mineral Water Plant
- Security Guards
- CCTV Cameras

تحفیظ القرآن انسٹیٹیوٹ

- بہترین قراء کی زیرنگرانی
- تجوید وقرأت مع سکول کی تعلیم
- اخلاقی وروحانی تربیت
- حلقۂ درود کا اہتمام
- آڈیو و ویڈیو لیکچرز
- نعت وتقریر کی خصوصی کلاسز

Civic Center Town ship (Baghdad Town) Lahore.
042-35122025, 0333-4169911
www.minhaj.edu.pk, E-mail: minhajmodelgs@gmail.com